نصرۃ میگزین

ربیع الثانی-جمادی الاول 1443ھ | نومبر–دسمبر 2021ء

شمارہ-63

سقوطِ کابل، 20 سال بعد

اسلامی حکومت کیسی ہوتی ہے؟

پاکستان، افغانستان اور وسطی ایشیاء پر مشتمل ایک اسلامی ریاست

حکمرانی محض سیاسی طاقت یا فوجی سروس میں ایکسٹینشن کیلئے نہیں، نہ ہی ذاتی مفاد کے حصول کا ذریعہ ہے، بلکہ یہ ایک مقدس امانت اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کی عبادت ہے

فہرست

اداریہ 3

تفسیر سورۃ البقرۃ۔(221) 5

اسلام میں والد کی ذمہ داریاں 14

خلافت کی فرضیت کے متعلق 31

اسلامی حکومت کیسی ہوتی ہے؟ 38

ازدواجی ہم آہنگی 55

سقوط کابل، 20 سال بعد 66

ترقی اور ثقافتی تجدید (حصہ اول) 71

حکمرانی محض سیاسی طاقت یا فوجی سروس میں ایکسٹینشن کیلئے نہیں، نہ ہی ذاتی مفاد کے حصول کا ذریعہ ہے، بلکہ یہ ایک مقدس امانت اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کی عبادت ہے 84

پاکستان، افغانستان اور وسطی ایشیاء پر مشتمل ایک اسلامی ریاست 86

سوال وجواب: روس کے شہر سوچی میں اردگان اور پیوٹن کی سربراہی کانفرنس 91

سوال وجواب: قریش فتح سے پہلے نصرہ کے حصول کی شرائط کو پورا نہیں کرتے تھے 98

سوال وجواب: آسٹریلیا اور برطانیہ کے ساتھ امریکی فوجی اتحاد کی اہمیت اور دائرہ کار 104

میڈیا سرگرمیاں 113

اداریہ

28 ستمبر 2021 کو سینیٹ کی بینکنگ کمیٹی کی سماعت کے موقع پر امریکی سیکرٹری خزانہ، جینیٹ یلن (Janet L. Yellen) نے امریکی قانون سازوں کو یہ کہتے ہوئے تباہ کن نتائج سے خبردار کیا کہ اگر کانگرس 18 اکتوبر 2021 تک آئینی قرض کی حد کو بڑھانے یا معطل کرنے میں ناکام رہی تو یہ معاشی کساد بازاری اور مالیاتی بحران کا موجب ہو سکتا ہے، ایک ایسا امر جسے ہم خود اپنے اوپر مسلط کریں گے۔ پھر 3 اکتوبر 2021 کو واشنگٹن سے تعلق رکھنے والی تفتیشی صحافیوں کی عالمی انجمن (ICIJ) نے ٹیکس چوری اور کرپشن کی نشاندہی کرتے ہوئے "پینڈورا پیپرز" کو شائع کرنا شروع کیا۔ پھر 4 اکتوبر کو ایک بیان میں وائٹ ہاؤس کے پریس سیکرٹری جین ساکی (Jen Psaki) نے صدر جو بائیڈن کے اس عزم کو دہرایا کہ "کرپشن کے خلاف قومی سلامتی کے بنیادی مفاد کے طور پر لڑا جائے گا"۔ ساکی نے بائیڈن کا اس عزم کا بھی اظہار کیا کہ "شیل کمپنیوں کے ناجائز استعمال اور منی لانڈرنگ جیسے مسائل کے تدارک کے لئے شراکت داروں اور حلیفوں کے ساتھ مل کر کام کرنا ہے"۔

چوری شدہ ٹیکس رقوم کی برآمدگی کی ایسی کاوشیں پہلے بھی ہوتی رہی ہیں اور آئندہ بھی ہوتی رہیں گی لیکن سرمایہ دارانہ نظام کے پیدائشی نقائص ہمیشہ برقرار رہیں گے۔ ٹیکس اکٹھا کرنے میں کمزوری اور بھاری سود کی ادائیگیوں کے ساتھ امریکی قرضہ بڑھتے بڑھتے اس حد تک جا پہنچا ہے کہ یہ ایک سپر پاور کے طور پر امریکہ کو اپنی حیثیت برقرار رکھنے کے لیے خطرہ بن رہا ہے۔ گزشتہ کچھ عرصہ سے امریکہ دنیا بھر میں ملکی سرمایہ کے بڑے بڑے ذخیروں کی تلاش میں ہے کہ جن پر وہ ٹیکس عائد کر سکے تاکہ امریکہ کے دیوالیہ ہونے کو روکا جا سکے۔ اس سے پہلے اس نے سوئس بینکوں کی مضبوط رازداری کو توڑا اور ان کو مجبور کیا کہ وہ امریکی حکومت کو امریکی شہریوں کی تفصیلی معلومات مہیا کریں۔ کیونکہ کثیر سرمایہ پر مبنی بڑی امریکی کمپنیاں، فیڈرل ریزرو سسٹم کے خوف سے بچتے ہوئے سینکڑوں ارب ڈالر ٹیکس کی مد میں جانے سے مسلسل چھپاتی رہی ہیں۔

حالیہ معاشی آرڈر اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ اگر امریکہ کو چھینک بھی آجائے تو پوری دنیا کو زکام لگ جائے۔ عالمی تجارت میں ڈالر کی اجارہ داری کی وجہ سے امریکی قرضہ جاتی بحران دنیا کی معیشتوں کو خطرے سے دوچار رکھتا ہے۔ جہاں ایک طرف ڈالر کی مزید چھپائی امریکہ کے اندرونی قرضوں کو ہلکا کرتی ہے تو وہیں اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ڈالر کی قدر میں کمی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ باقی دنیا امریکی قرضوں کی قیمت چکائے گی۔ علاوہ ازیں آئی ایم ایف کی طرف سے مقامی کرنسی کی قدر میں کمی پر اصرار کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دیگر اقوام کے قرضوں میں اضافہ ہو جاتا ہے، برآمدات پر ان کے محصولات میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور درآمدات کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔

امریکہ کی فنڈ اکٹھا کرنے کی یہ کوششیں شاید کچھ دیر تک تو اس سودی نظام کو کچھ سانسیں فراہم کر سکیں جب تک کہ اگلا بحران نہ سامنے آجائے، جبکہ باقی دنیا مسلسل بڑھتے امریکی قرض کی قیمت ادا کرتی رہے گی۔ تاہم، مسائل کا کوئی پائیدار حل نہیں ہے۔ فی الوقت، دنیا کو اس معاشی مایوسی سے بچنے کے لئے امریکہ سے کوئی امید بھی نظر نہیں آتی۔ درحقیقت، حالیہ بڑی طاقتوں میں سے کسی سے بھی کوئی امید نہیں ہے کیونکہ وہ سب اسی آئیڈیالوجی پر کاربند ہیں جس پر امریکہ عمل پیرا ہے۔ یہ صرف مسلم امت ہی ہے جو خلافت کا نفاذ کر کے اپنے دینِ اسلام کے ذریعے دنیا کو اس پریشانی سے نکال سکتی ہے۔

نبوّت کے نقشِ قدم پر خلافت، سونے اور چاندی کی بنیاد پر کرنسی کا اجراء کر کے اور سونے اور چاندی ہی کی بنیاد پر عالمی تجارت کرنے پر اصرار کر کے ڈالر کی اجارہ داری کو ختم کرے گی۔ خلافت، سود جیسی برائی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گی جس نے جونک کی طرح کا معاشی نظام پیدا کیا ہے جو کہ حقیقی تجارت اور پیداوار کا خون چوس لیتا ہے۔ صرف خلافت ہی پاکستان، افغانستان، وسطی ایشیا اور دیگر مسلم دنیا کو یکجا کر کے معدنیات اور توانائی کے زبردست وسائل کو امتِ مسلمہ کی مضبوطی کے لیے استعمال کرے گی اور ساتھ ہی ساتھ دنیا کے بڑے تجارتی راستے کو کنٹرول کرے گی اور یوں امت کو اس قابل بنائے گی کہ وہ حالیہ مغربی معاشی آرڈر کو زمیں بوس کر دے۔ یہ سب شروع کرنے کے لئے، اب مسلم امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اہلِ قوت میں موجود اپنے بیٹوں سے اصرار کریں کہ وہ خلافت کی واپسی اور اسلام کے عالمی غلبے کے لئے حزب التحریر کو نُصرۃ فراہم کریں۔

فہرست

تفسیر سورۃ البقرۃ۔(221)

جلیل قدر عالم دین شیخ عطاء بن خلیل ابو الرشتہ کی کتاب "التیسیر فی اصول التفسیر" سے اقتباس

﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۗ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴾

"اور مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ یقیناً ایک مؤمن باندی کسی بھی مشرک عورت سے بہتر ہے، خواہ وہ مشرک عورت تمہیں پسند آرہی ہو۔ اور اپنی عورتوں کا نکاح مشرک مردوں سے نہ کراؤ جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اور یقیناً ایک مؤمن غلام کسی بھی مشرک مرد سے بہتر ہے، خواہ وہ مشرک تمہیں پسند آرہا ہو۔ یہ سب دوزخ کی طرف بلاتے ہیں، جبکہ اللہ اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے، اور اپنی آیات لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں"۔

اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں مندرجہ ذیل امور ذکر فرماتے ہیں:

1- مومن عورت کی کسی مشرک مرد کے ساتھ شادی کرنے کی حرمت اور مسلمان مرد کی کسی مشرک عورت کے ساتھ شادی کرنے کی حرمت، خواہ مشرک مرد یا مشرک عورتوں کی پسندیدگی کی وجہ کچھ بھی ہو جیسے دولت، عزت وغیرہ۔

یہاں حرمت کا قول آیت میں موجود نہی پر مبنی ہے یعنی ﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ ﴾ "مشرک عورتوں سے نکاح مت کرو" اور ﴿ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ "مشرک مردوں سے نکاح مت کرو"، اور یہاں نہی

کے حتمی ہونے کا قرینہ بھی پایا جارہا ہے: ﴿ **اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ** ﴾ "یہ (تمھیں) آگ کی طرف بلاتے ہیں"۔ چنانچہ آیت میں مذکور نہی ایک حتمی نہی ہے، یعنی ایسا نکاح حرام ہے۔

2- یہاں مشرک مرد اور مشرک عورتوں کے مفہوم میں ہر کافر شامل ہے، اس پر ﴿**اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ**﴾ **"یہ (تمھیں) آگ کی طرف بلاتے ہیں"**، دلالت کرتا ہے، یعنی وہ لوگ کفر کی دعوت دیتے ہیں جو آگ میں لے جانے کا باعث ہے۔ چونکہ یہاں آگ کا ذکر جنت کے بالمقابل کیا گیا ہے جبکہ وہ اہل جہنم جو کبھی جنت میں داخل نہ ہوں گے، کفار ہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ﴿ **اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ** ﴾ **"یہ (تمھیں) آگ کی طرف بلاتے ہیں"**، تحریم کی علت ہے اور یہی الفاظ نکاح کے معاملے میں مومن باندی کی آزاد مشرک عورت پر فضیلت اور مومن غلام کی آزاد مشرک مرد پر فضیلت کے لیے بھی علت ہے۔

یعنی ﴿ **اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ** ﴾ **"یہ (تمھیں) آگ کی طرف بلاتے ہیں"**، مؤمنین کی فضیلت اور مشرک عورتوں کے ساتھ ان کے نکاح یا مؤمن عورتوں کے مشرکین کے ساتھ نکاح کے حرام ہونے کی علت ہے۔

اس شرعی علت میں یہ معانی شامل ہیں، **"وہ جو کفر کی دعوت دیتے ہیں جس کا نتیجہ آگ ہے"**۔ اس میں تمام کفار شامل ہو جاتے ہیں، چاہے وہ جس طرح کے بھی ہوں۔

یہاں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آیت میں لفظ (مُشرِک) میں اہل کتاب شامل نہیں، چنانچہ مشرکین اور مشرکات سے نکاح کی تحریم میں اہل کتاب شامل نہیں، کیونکہ کچھ ایسی آیات بھی آئی ہیں جو مشرکین کو اہل کتاب سے جدا کرتی ہیں۔ مثلاً: ﴿**مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ**﴾ **"کافر لوگ خواہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے، یہ نہیں پسند کرتے ہیں کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر کوئی بھلائی نازل ہو"** (البقرۃ: 105)۔

ایسا کہنا دو وجوہات کی بنا پر درست نہیں:

ا-یہود ونصاریٰ قرآن ہی کی نص کی بنیاد پر مشرک ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ **وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ. اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ** ﴾

"اور یہودی تو یہ کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں، اور نصرانی یہ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ سب اُن کی منہ کی بنائی ہوئی باتیں ہیں۔ یہ اُن لوگوں کی سی باتیں کر رہے ہیں جو ان سے پہلے کافر ہو چکے ہیں۔ اللہ کی مار ہو ان پر! یہ کہاں اوندھے بہکے جا رہے ہیں؟ انہوں نے اللہ کے بجائے اپنے احبار (یعنی یہودی علماء) اور راہبوں (یعنی عیسائی درویشوں) کو خدا بنا لیا ہے، اور مسیح ابن مریمؑ کو بھی، حالانکہ اُن کو ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ پاک ہے جس کے بارے میں یہ شرک کرتے ہیں" (التوبہ: 31-30)۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہود ونصاریٰ مشرکین ہیں۔

ب- بلاشبہ (مشرکین) کا لفظ جب بغیر قرینے کے بولا جائے، تو اس سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا، یعنی یہ صرف کفر کی ایک نوع پر دلالت کرتا ہے۔ البتہ قرینے کے ساتھ وارد ہو تو اسی کے مطابق مراد لیا جاتا ہے۔ یہاں یہ اس طرح آیا ہے کہ اس کے لیے ایک شرعی علت بیان کی گئی ہے اور وہ شرعی علت ہے **"وہ جو آگ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور جو جنت میں داخل نہیں ہوں گے"**۔ اس شرعی علت میں اہلِ کتاب میں سے ہر کافر بھی شامل ہے کیونکہ وہ جنت والوں میں شامل نہیں۔

جہاں تک اس آیت کا تعلق ہے: ﴿ **مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ** ﴾ **"کافر لوگ خواہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے، یہ پسند نہیں کرتے"** (البقرۃ: 104)، یہ فقط کفر کی اقسام کے نام ہیں: اہلِ کتاب اور مشرکین۔ ہر ایک کا اپنا معنی ہے، یہی وجہ ہے کہ ﴿ **الْمُشْرِكٰتِ** ﴾ **"مشرک**

عورتیں"اور ﴿ **الْمُشْرِكِيْنَ** ﴾ **"مشرک مرد"** جو آیت میں آیا ہے، اس میں اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے ہر کافر شامل ہے، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

یعنی اس آیت سے معلوم ہوا:
مؤمن مرد کے کسی کافر عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی حرمت
اور مسلمان عورت کے کسی کافر مرد کے ساتھ نکاح کرنے کی حرمت

3- یہ آیت عام ہے اور اس کی تخصیص سورۃ المائدہ کی آیت میں آئی ہے: ﴿**اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ**﴾ **"آج تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں، اور جن لوگوں کو (تم سے پہلے) کتاب دی گئی تھی، ان کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے، نیز مؤمنوں میں سے پاکدامن عورتیں بھی اور ان لوگوں میں سے پاکدامن عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی"** (المائدۃ: 5)۔

پس یہاں کفر کی انواع میں سے ایک نوع کی تخصیص کی گئی ہے، یعنی اہلِ کتاب میں پاکدامن عورتیں، یعنی یہودی عورتیں اور عیسائی عورتیں۔ یہی وہ عورتیں ہیں جن پر شرعی طور پر یہ لفظ (المحصنت) بولا جاتا ہے، اس لیے اہلِ کتاب میں سے پاکدامن عورتوں (العفیفات) کے ساتھ مسلمانوں کے لیے نکاح کرنا جائز ہے۔

جہاں تک مسلمان عورت کا کسی کافر مرد کے ساتھ نکاح کا تعلق ہے تو اس حوالے سے آیت میں تحریم اپنے عموم پر باقی ہے، اس میں کوئی بھی تخصیص نہیں آئی ہے، خواہ وہ مرد اہلِ کتاب میں سے ہو یا غیر اہل کتاب میں سے۔

4- جہاں تک اس بات کا تعلق ہے جو ہم نے کی کہ ﴿ **الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ** ﴾ **"وہ جنھیں کتاب دی گئی"** یعنی اہل کتاب کا اطلاق یہود و نصاریٰ پر کیا جاتا ہے، قرآن کریم اور سنت میں اس حوالے سے بہت زیادہ نصوص آئی ہیں، مثلاً: ﴿**يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ**

بَعْدِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ "اے اہل کتاب! تم ابراہیمؑ کے بارے میں کیوں بحث کرتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل ان کے بعد ہی تو نازل ہوئی تھیں؛ کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں ہے؟"(آل عمران: 65) یعنی اہل کتاب یہود (تورات والے) اور عیسائی (انجیل والے) ہی ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ سے مجوس کے ساتھ لین دین کے بارے میں سوال کیا گیا، تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: **((سنوا بهم سنة أهل الكتاب غير آكلي ذبائحهم ولا ناكحي نسائهم))"ان کے ساتھ اہل کتاب والا معاملہ کرو، سوائے ان کا ذبیحہ کھانے اور ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کے"**(موطا: 544، طبرانی کی معجم الکبیر: 19/437، بیہقی: 9/189، ابنِ ابی شیبہ: 3/224، 12/243، عبدالرزاق: 10025)۔ یعنی ان کے ساتھ یہود و نصاریٰ جیسا معاملہ کرو، سوائے ذبح شدہ جانوروں اور عورتوں کے ساتھ نکاح کے معاملے میں۔ اس کے علاوہ بھی کئی نصوص ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں۔

5- لیکن حرمتِ نکاح سے اہل کتاب کی پاکدامن عورتوں کا ہی استثناء کیا گیا ہے، سو مشرق و مغرب کی کفریہ ریاستوں میں آنے جانے والے بعض مسلمان جو کچھ کرتے ہیں کہ وہ اہلِ کتاب کی عورتوں سے شادیاں رچاتے ہیں اور عورت کی پاکدامنی کی کوئی فکر نہیں کرتے، تو ان کا یہ معاملہ حکمِ شرعی کے خلاف ہے۔ یہ اس لیے کہ ان ممالک میں نام نہاد شخصی آزادی کا رواج ہے، ان تصورات کی وجہ سے ان کے نزدیک زنا ایک معمولی کام ہے۔ اس لیے یہ بات اہم ہے کہ مسلمان نوجوان اس بابت نہایت چوکنے رہیں۔ سو اگر انہیں اہلِ کتاب میں سے پاکدامن عورتیں ملتی ہوں تو ان کے ساتھ نکاح جائز ہے، ورنہ جائز نہیں تاکہ احکامِ شریعہ کی حفاظت کی جاسکے۔ نیز نسب کو گڈمڈ ہونے سے بچایا جاسکے، اس طرح متعدد پریشانیوں میں پڑنے سے بھی بچاؤ ہو جو ان جیسے معاملات کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہیں۔

ابن عطیہ نے روایت کی ہے کہ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے ایک اہلِ کتاب عورت سے شادی کی۔ عمرؓ نے چاہا کہ ان کے درمیان جدائی ہو جائے۔ لہٰذا حذیفہؓ نے کہا: 'اے امیر المؤمنین! کیا آپ اس کو حرام سمجھتے ہیں، تو میں چھوڑ دیتا ہوں؟'۔ عمرؓ نے کہا: لا أزعم أنها حرام، ولكني أخاف أن تعاطوا المومسات منهن "میں یہ نہیں سمجھتا کہ یہ حرام ہے، مگر مجھے جس بات کا ڈر ہے وہ یہ ہے کہ تم لوگ بعد میں ان کی بدکار عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے لگو گے"۔

ابنِ عباسؓ نے بھی اسی طرح روایت کی ہے، یعنی عمرؓ نے اس وجہ سے ہی اس کو برا سمجھا کہ اس قسم کے رویے میں عدم پاکیزگی کا احتمال ہوتا ہے۔ تو آج کفریہ ممالک میں یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟

ایک اور روایت میں ہے جسے ابن جریر نے روایت کیا ہے، کہ انھوں نے ایک یہودی عورت سے شادی کی، تو عمرؓ نے اسے خط لکھا: 'اس کو چھوڑ دو'۔ انہوں نے جوابی خط لکھ کر پوچھا: 'کیا آپ اس کو حرام سمجھتے ہیں کہ میں اس کو چھوڑ دوں؟'۔ تو عمرؓ نے فرمایا: لا أزعم أنها حرام ولكني أخاف أن تعافوا المؤمنات 'میں اس کو حرام نہیں سمجھتا لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم مؤمن عورتوں سے بھاگنا نہ شروع کر دو'۔

پس عمرؓ نے اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ شادی کرنا اس لیے معیوب سمجھا تاکہ لوگ مسلمان عورتوں سے بیزار اور عدم دلچسپی کا مظاہرہ نہ کریں۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ایک مسلمان نوجوان جب کسی اہلِ کتاب عورت سے شادی کرنا چاہے، تو اس پر اس بات کی تسلی کرنا لازم ہے کہ وہ پاکدامن ہو، زنا اور فحاشی کے کاموں میں ملوث نہ ہو۔ اگر ایسا ہے تو اگرچہ اس صورت میں اس کے لیے اس عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز تو ہو گا مگر بہتر یہ ہے کہ اس کے بجائے کسی مسلمان عورت سے نکاح کرے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: **((تنكح المرأة لأربع: لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها، فاظفر بذات الدين تربت يداك))" عورت کے ساتھ چار وجوہات سے نکاح کیا جاتا ہے؛ اس کے مال کی وجہ سے، اس کے نسب کی وجہ سے، اس کے حسن و جمال کی وجہ سے اور اس کے دین کی وجہ سے، پس دیندار عورت سے نکاح کرو"**۔

6- گزشتہ بحث کی بنا پر کافر عورتوں کے ساتھ شادی کرنے سے صرف اہل کتاب کی مُحصَنات یعنی پاکدامن عورتوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ عورتوں کے ساتھ نکاح کو آیت حرام قرار دے رہی ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

تو یہ سمجھ حاصل کرنے سے اب اس آیت کے معنی یہ ہوں گے:

اے مسلمانو! تم پر کافر عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے، سوائے اہلِ کتاب کی عفیف یعنی پاکدامن عورتوں کے۔ اور بے شک ایک مومن باندی مشرک عورت سے بہر حال اچھی ہے، بھلے مشرکہ عورت کا حسن کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ اسی طرح تم پر یہ بھی حرام ہے کہ مؤمن عورتوں کا نکاح کفار کے ساتھ کرو، خواہ کسی بھی قسم کا کافر ہو، چاہے مشرکین میں سے ہو یا اہل کتاب اور مجوس وغیرہ یا دیگر کفار میں سے۔ اور بے شک ایک مؤمن غلام مرد مشرک آدمی سے بہتر ہوتا ہے، خواہ مشرک پسند آنے کی وجہ کچھ بھی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار آگ کی طرف دعوت دیتے ہیں، ان کا طریقہ اہل جہنم کا ہے، جب کہ مسلمانوں کی دعوت اور طریقہ جنت والا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت کا ہے۔

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ آیت کے آخر میں واضح کر دیتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ یہ آیات، کفار کی جہنم کی طرف دعوت کے معاملے پر اور مومنین کی جنت اور اللہ کی مغفرت کے طرف دعوت کے معاملے پر واضح اور صریح ہیں۔ ان آیات کا مقصد مومنین کو یومِ آخرت، جنت اور جہنم کی یاد ہانی کرانا ہے تاکہ وہ جنت کے قریب ہونے اور جہنم سے دور ہونے کی کوشش کرتے رہیں۔

﴿ وَلَا تَنْكِحُوا ﴾ "اور نکاح نہ کرو"، یعنی شادی نہ کرو۔

﴿ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ ﴾ "یقیناً ایک مؤمن باندی کسی بھی مشرک عورت سے بہتر ہے"۔ یہاں باندی کا ذکر آزاد عورت کے مقابلے میں ہے، کیونکہ یہاں موضوع ایمان اور شرک کی ایک دوسرے پر فضیلت اور بہتری کا بیان ہے۔ تو اس لیے یہ کہنا مناسب ہے کہ ایمان بلندیوں پر لے جاتا ہے، حتیٰ کہ غلامی کا طوق پہنی باندیاں ہی کیوں نہ ہو، اور شرک پستی میں لے جاتا ہے، حتیٰ کہ ایک مشرک عورت آزاد ہی کیوں نہ ہو، یعنی ایمان ایک باندی کو ایک آزاد مشرک عورت سے بلند درجہ اور افضل مقام عطا کرتا ہے۔ پس اس آیت میں مؤمن باندی کی مشرک عورت پر مطلق فضیلت بیان کی گئی ہے۔ جہاں تک آزاد مؤمن عورت کی ایک مشرک آزاد عورت پر فضیلت کا تعلق ہے، تو وہ "من باب الاولیٰ" (بدرجہ اولیٰ) کے فقہی اصول کے مطابق ہے (یعنی مفہوم الموافقہ)۔

﴿ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ﴾ **"خواہ وہ مشرک عورت تمہیں پسند آرہی ہو"**۔ یہ شرطِ محذوف کا جواب ہے، جس پر سابقہ جملہ دلالت کرتا ہے، وہ شرطِ محذوف یہ ہے کہ 'ان کے ساتھ شادی نہ کرو خواہ تمہیں کتنا ہی پسند کیوں نہ ہوں'، کیونکہ ایک مؤمن باندی ان سے بہتر ہے۔

اور پسندیدگی میں ہر وہ چیز داخل ہے جو نکاح کے خواہشمند کی نظر میں کافرہ عورت کو بھلی بناتی ہے، جیسے اس کا حسن ،مال اور وہ تمام اشیاء جن کی وجہ سے رغبت و شوق پیدا ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں: **(("لا تَزَوَّجوا النساء لحسنهن فعسى حسنُهن أن يُرْدِيَهُن، ولا تَزَوَّجوهن لأموالهن فعسى أموالُهن أن تُطْغِيَهن، ولكن تَزَوَّجوهن على الدين ولأمة خرماء سوداء ذات دين أفضل"))** **"عورتوں کے ساتھ ان کے حسن و جمال کی وجہ سے نکاح نہ کیا کرو، ممکن ہے ان کا حسن ان کو ہلاک کردے، اور مال کی وجہ سے بھی ان سے شادیاں نہ کرو، ممکن ہے کہ ان کے مال ان کو سرکش بنادے، البتہ ان کے دین کی وجہ سے ان سے نکاح کرو، کیونکہ ایک چھدے ہوئے کان والی کالی دیندار باندی افضل ہے"**(ابنِ ماجہ:1849)۔

﴿ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ ﴾ **"اور یقیناً ایک مؤمن باندی"**، یہاں جملے کو لام ابتدا سے شروع کیا گیا ہے، جو تاکید پیدا کرنے میں لامِ قسم جیسا ہے۔ یہ مؤمن عورتوں کے ساتھ نکاح اور مشرکہ عورتوں سے شادی حرام ہونے، دونوں پر تاکید ہے۔ اسی طرح ﴿ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ ﴾ **"اور یقیناً ایک مؤمن غلام کسی بھی مشرک مرد سے بہتر ہے"**، اس سے بھی یہی معنی مقصود ہے، یعنی مسلمانوں میں دلچسپی اور مؤمن عورت کی کافر سے نکاح کی حرمت۔

نبی ﷺ نے فرمایا: **(("إذا جاءكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه إن لا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد عريض"))** **"جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص رشتہ مانگنے آئے جس کا دین اور اخلاق تمہیں پسند ہوں تو نکاح کرادو، ورنہ زمین میں بڑا فساد اور فتنہ کھڑا ہوگا"**(ترمذی:1084، ابنِ ماجہ:1967)۔

﴿ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ "اور وہ اپنے احکامات لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں"۔ یہاں ﴿ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ "تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں"، ذکر کیا اور پچھلی آیت میں ﴿ تَتَفَكَّرُوْنَ﴾ "تاکہ وہ فکر کریں"، ذکر کیا کیونکہ سابقہ آیت حساس امور کے بعد ذکر کی گئی تھی، یعنی شراب، جوا، یتیم بچے اور ان کی اصلاح کی فکر، تو اس کے بعد اللہ سبحانہ وتعالی نے یہی فرمایا کہ ﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ. فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ "اسی طرح اللہ تم پر آیات واضح کرتا ہے تاکہ تم اس دنیا اور آخرت میں غور و فکر کرو" (البقرۃ:220-219)، یعنی حساس معاملات پر توجہ دو تاکہ تم اس توجہ کے نتیجے میں اپنی دنیا اور آخرت کو بہتر بنانے کے راستے پر چل سکو۔

اور یہاں اللہ سبحانہ وتعالی فرماتے ہیں: ﴿ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴾ "یہ سب دوزخ کی طرف بلاتے ہیں، جبکہ اللہ اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے، اور اپنی آیات لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں"۔ چونکہ جنت اور جہنم کا موضوع ایسے امور ہیں جو انسانی احساس میں نہیں آتے جن پر وہ غور و فکر کر سکے، بلکہ ان کا سہارا نقل و روایت پر ہے۔ سو اللہ سبحانہ وتعالی نے ﴿ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ "تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں" کے الفاظ فرمائے۔

فہرست

اسلام میں والد کی ذمہ داریاں

مصعب عمیر-پاکستان

تعارف: ایک مسلمان والد اگلی نسل کے لیے مضبوط بنیادیں رکھتا ہے

اسلام میں والد کی ذمہ داری اس قدر اہمیت کی حامل ہے کہ یہ تمام مسلمانوں کی سب سے بنیادی شناخت ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ "انہیں (بچوں کو) ان کے باپ ہی کے نام سے پکارو، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ مناسب ہے"** (الاحزاب، 33:5)۔ یہ ولدیت قائم کرتا ہے جو اپنے بچوں کی پرورش کے لیے باپ کی ذمہ داریوں کی بنیاد ہے۔ اِن ذمہ داریوں میں اپنے بچوں کو اپنی صحبت فراہم کرنا، ان کی معاشی ضروریات پوری کرنا، بچوں کو اسلامی ثقافت سے روشناس کرانا، بچوں کے ایمان میں یقین پیدا کرنا اور بچوں کو نظم و ضبط کا پابند بنانا شامل ہیں۔ یقیناً والد کا کردار بیٹوں اور بیٹیوں کے نام رکھنے پر ختم نہیں ہوتا بلکہ اس سے بہت زیادہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اسلامی امت کو اپنی جانب سے دی جانے والی تعلیمات کو باپ کی ذمہ داری سے تشبیہ دی اور فرمایا، **إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ أُعَلِّمُكُمْ " (لوگو!) میں تمہارے لیے والد کی طرح ہوں، کہ تمھیں (ہر چیز) سکھاتا ہوں"** (سنن ابی داؤد)۔ ہمارے آقا، رسول اللہ، محمد ﷺ نے مردوں اور عورتوں کی ایک پوری نسل کھڑی کی، دین کے ستون قائم کیے جس نے آج کے دن تک امت کو ایک خاص شکل دے رکھی ہے۔ آپ ﷺ نے چار بیٹیوں ؓ کی پرورش اور تربیت کی جو ہر دور میں اسلامی امت کے لیے مثالی شخصیات رہی ہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ، چوتھے خلیفہ راشد، کی پرورش اور تربیت فرمائی، جو آپ ﷺ کے بڑے اور نسبتاً غریب چچا کے بیٹے تھے۔ آپ ﷺ نے زید ابن حارثہؓ اور اُن کے بیٹے اسامہ بن زیدؓ کی بہترین پرورش اور تربیت فرمائی۔ آپ ﷺ کی زیر نگرانی تربیت پانے والے نوجوانوں کے لیے آپ ﷺ ایک توجہ دینے والے ساتھی اور صابر استاد

تھے۔ آپ ﷺ نے نوجوانوں کی اسلام کی بنیاد پر تربیت کی، آپ ﷺ نے ان کے ایمان میں یقین پیدا کیا اور انہیں حکمت اور شفقت سے نظم وضبط کا پابند بنایا۔ یہی آپ ﷺ کے تربیت یافتہ وہ مومن مرد اور عورتیں تھیں جنہوں نے آپ ﷺ کی قیادت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نازل کردہ کے مطابق حکمرانی قائم کی اور وقت کے ساتھ نبوت کے نقش قدم پر قائم ہونے والی پہلی خلافت کے ستون بن گئے۔ اس کے نتیجے میں، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ایسے ذمہ دار باپ بن گئے جنہوں نے اپنی اولاد کو نیکی کی راہ پر ڈالا، جیسے چار عبداللہ (رضی اللہ عنہم) جو یزید کے ظلم کے خلاف کھڑے ہوئے۔ یقیناً، جیسے زندگی کے ہر کردار میں، حکمران سے لے کر فوجی کمانڈر تک، شوہر سے پڑوسی تک، ہم آپ ﷺ کی مثال کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ والد کی ذمہ داریوں کو ویسے ہی ادا کریں جیسے آپ ﷺ نے ادا کیں اور اپنی دنیا اور آخرت کو محفوظ کرلیں۔ لہٰذا، آج کے والد اپنے بچوں کے بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے اپنی ذمہ داری پر غور کریں، کیونکہ مسلمانوں کی موجودہ نسل نبوت کے نقش قدم پر خلافت کی واپسی کے حوالے سے خود کو رسول اللہ ﷺ کی بشارت کے لیے تیار کررہی ہے۔ انہیں اپنے گھروں میں وہ مضبوط شخصیات تیار کرنی ہیں جو اسلام کو ایک طرز زندگی کے طور پر دوبارہ شروع کریں اور اسلام کی دعوت کو پوری دنیا تک لے جائیں۔

والد اپنے بچے کے لیے ایک توجہ دینے والا ساتھی ہوتا ہے

جہاں ایک والد اپنے بچے کیلئے ایک استاد، سرپرست اور نظم وضبط کا پابند کرنے والا ہوتا ہے، وہاں وہ اپنے بچے کے لیے شفیق، توجہ دینے والا ساتھی بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹیوں کی پرورش اور تربیت میں شفقت اور عزت نفس کا خیال رکھا۔ امّ المؤمنین حضرت عائشہؓ نے فرمایا، **مَا رَأَيْتُ أَحَدًا مِنَ النَّاسِ كَانَ أَشْبَهَ بِالنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم كَلاَمًا وَلاَ حَدِيثًا وَلاَ جِلْسَةً مِنْ فَاطِمَةَ. وَكَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم إِذَا رَآهَا قَدْ أَقْبَلَتْ رَحَّبَ بِهَا، ثُمَّ قَامَ إِلَيْهَا فَقَبَّلَهَا، ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِهَا فَجَاءَ بِهَا حَتَّى يُجْلِسَهَا فِي مَكَانِهِ، وَكَانَتْ إِذَا أَتَاهَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم رَحَّبَتْ بِهِ، ثُمَّ قَامَتْ إِلَيْهِ فَقَبَّلَتْهُ** " میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو فاطمہؓ سے زیادہ الفاظ یا تقریر یا بیٹھنے کے انداز میں رسول اللہ ﷺ سے مشابہ ہو۔ جب آپ ﷺ دیکھتے کہ وہ آئی ہیں تو آپ ﷺ انہیں سلام

کرتے اور پھر آپ ﷺ اُن کے لیے کھڑے ہو جاتے، اُن کا بوسہ لیتے، اُن کا ہاتھ پکڑتے اور انہیں آگے لاتے اور انہیں اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ جب نبی ﷺ اُن کے گھر جاتے تو وہ آپ ﷺ کو سلام کرتیں، آپ ﷺ کے لیے کھڑی ہو جاتیں، اور آپ ﷺ کو چومتیں" (الأدب المفرد)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ کچھ صحرا کے عرب بدّو رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا، "کیا آپ اپنے بچوں کو چومتے ہیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا، **نعم "ہاں"**۔ اس پر انہوں نے کہا، "اللہ کی قسم لیکن ہم اپنے بچوں کو نہیں چومتے"۔ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا، **وَأَمْلِكُ إِنْ كَانَ اللَّهُ نَزَعَ مِنْكُمُ الرَّحْمَةَ "اگر اللہ نے تمہیں رحم سے محروم کر دیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں"؟** (مسلم)۔ ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ الأقرع بن حابس نے یہ دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ حسنؓ کو چوم رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا، "میرے دس بچے ہیں، لیکن میں نے اُن میں سے کسی کو کبھی نہیں چوما"۔ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا، **إِنَّهُ مَنْ لاَ يَرْحَمْ لاَ يُرْحَمْ "جو (اپنے بچوں پر) رحم نہیں کرتا، اس پر کوئی رحم نہیں کیا جائے گا"** (مسلم)۔

اس کے علاوہ، اسلام میں والد جب اپنے بچوں پر شفقت اور احسان کرتا ہے، تو اپنے تمام بچوں کے ساتھ برابری کا سلوک کرتا ہے اور کسی کو کسی دوسرے پر فوقیت نہیں دیتا۔ نعمان بن بشیرؓ نے روایت کی کہ، **ذَهَبَ بِي أَبِي إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم يُشْهِدُهُ عَلَى شَيْءٍ أَعْطَانِيهِ فَقَالَ " أَلَكَ وَلَدٌ غَيْرُهُ " . قَالَ نَعَمْ . وَصَفَّ بِيَدِهِ بِكَفِّهِ أَجْمَعَ كَذَا أَلاَ سَوَّيْتَ بَيْنَهُمْ "میرے والد مجھے نبی ﷺ کے پاس لے گئے تاکہ اُن سے کسی چیز کی گواہی مانگیں جو انہوں نے مجھے دی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: 'کیا تمہاری کوئی دوسری اولاد بھی ہے؟' انہوں نے کہا: 'ہاں' آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کو اس طرح افقی طور پر اٹھاتے ہوئے اشارہ کیا، اور فرمایا: 'تم اُن سب کے ساتھ برابری کا سلوک کیوں نہیں کرتے'"؟** (النسائی)

زمین پر دینِ اسلام کے قیام کا بہت بڑا بوجھ اٹھانے کے باوجود، اللہ کے رسول ﷺ اُن بچوں کی ضروریات پر توجہ دیتے تھے جن کی وہ ایک والد کی طرح تربیت فرماتے تھے۔ انس بن مالکؓ نے روایت کی کہ، "رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر آیا کرتے تھے۔ میرا ایک چھوٹا بھائی تھا جس کی کنیت ابو عمیر تھی۔ اُس کے پاس ایک چڑیا تھی جس کے ساتھ

وہ کھیلتا تھا، لیکن وہ مر گئی۔ تو ایک دن آپ ﷺ اُس سے ملنے آئے اور اسے افسردہ دیکھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: **مَا شَأْنُهُ 'اسے کیا ہوا ہے؟'** لوگوں نے کہا: اس کی چڑیا مر گئی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: **يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ 'اے ابو عمیر! چھوٹی چڑیا کو کیا ہوا ہے؟'**" (ابو داؤد)

مسلمان والد بچوں کی صحبت میں بچوں جیسا ہوتا ہے، اور جب صورتحال تقاضا کرے تو وہ ایک مضبوط آدمی ہوتا ہے۔ دوسرے خلیفہ راشد، عمر بن الخطابؓ نے فرمایا، لَيُعْجِبُنِي الرَّجُلُ أَنْ يَكُونَ فِي أَهْلِ بَيْتِهِ كَالصَّبِيِّ فَإِذَا ابْتُغِيَ مِنْهُ وُجِدَ رَجُلًا "میں یقینی طور پر حیرت زدہ ہو جاتا ہوں کہ ایک آدمی اپنے خاندان کے ساتھ بچے کی طرح رہ سکتا ہے، لیکن اگر اسے پکارا جائے تو وہ ایک بھرپور آدمی پایا جاتا ہے۔" (ماخذ: شعب الایمان 7851)۔ والد کی مردانگی اس کے اسلامی کردار کی طاقت سے ہے، جبکہ اسے دین کی طرف سے عزت دی جاتی ہے۔ عمر بن الخطابؓ نے فرمایا، أَصْلُ الرَّجُلِ عَقْلُهُ وَحَسَبُهُ دِينُهُ وَمُرُوءَتُهُ خُلُقُهُ " انسان کی بنیاد اس کی عقل ہے، اس کی عزت اس کے دین میں ہے، اور اس کی مردانگی اس کے کردار میں ہے" (ماخذ: اَدب الدنیا والدین 1/17)۔ متقی مسلمان باپ اپنے بچے کا اچھا دوست بن کر بری دوستی، تباہ کن اثر و رسوخ اور دوستوں کے منفی دباؤ کی جگہ لے لیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **الرَّجُلُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ "آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، اس لیے تم میں سے ہر شخص کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے"** (ابو داؤد)۔

والد ایک صابر اور بااختیار کرنے والا استاد ہوتا ہے

تعلیم کے دوران، مسلمان والد اپنے بچوں کی کسی کمزوری پر اُن پر کسی قسم کا لعن طعن نہیں کرتا، اور نا ہی انہیں حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ وہ صبر کے ساتھ ان کی تعلیم کے دوران ان کی عزت کو برقرار رکھتا ہے، ان کو باعزت بناتا ہے اور انہیں اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ انہیں اپنی عزت کی حفاظت کرنی ہے۔ وہ اُن کے اعتماد کو بلند کرتا ہے اور اُن کی خود اعتمادی کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **لَيْسَ الْمُؤْمِنُ**

بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيءِ "مومن نہ تو کسی کو طعنہ دیتا ہے، نہ ہی حقیر و ذلیل سمجھتا ہے، نہ ہی کسی کی لعنت و ملامت کرتا ہے، اور نہ ہی کسی سے گالی گلوچ کرتا ہے" (ترمذی)۔ عمر ابن الخطابؓ نے فرمایا، لا يُعْجِبَنَّكُمْ مِنَ الرَّجُلِ طَنْطَنَتُهُ وَلَكِنَّهُ مَنْ أَدَّى الأَمَانَةَ وَكَفَّ عَنْ أَعْرَاضِ النَّاسِ فَهُوَ الرَّجُلُ "اپنے آپ کو کسی آدمی کی دھاڑ سے متاثر نہ ہونے دیں۔ اس کے بجائے، اگر وہ اعتماد پر پورا اترتا ہے اور اپنے آپ کو لوگوں کی عزت کو نقصان پہنچانے سے روکتا ہے، تو وہ واقعی ایک بھرپور آدمی ہوگا" (ماخذ: الزھد والرقائق 681)۔

یقیناً، اسلامی دور کے علمائے کرام نے مردانگی (یعنی مردانہ وقار) کی خصوصیت کو بیان کیا کہ مرد توہین، تنقید اور حقارت نہیں کرتا۔ امام أيوب السختيانيؒ نے فرمایا، لَا يَنْبُلُ الْمَرْءُ وَلَا تَتِمُّ مُرُوءَتُهُ حَتَّى تَكُونَ فِيهِ خَصْلَتَانِ الْعَفْوُ عَنِ النَّاسِ وَالتَّجَاوُزُ عَنْهُمْ "ایک شخص نہ تو نیک ہے اور نہ ہی اس کی مردانگی مکمل ہے جب تک کہ اس میں دو خوبیاں نہ ہوں: لوگوں کو معاف کرنا اور ان کے عیوب کو نظر انداز کرنا" (ماخذ: المروة 106)۔ امام عبداللہ بن المبارک نے فرمایا، مَنِ اسْتَخَفَّ بِالْإِخْوَانِ ذَهَبَتْ مُرُوءَتُهُ" جو کوئی اپنے بھائی کو بدنام کرے گا، اس کا وقار ختم ہو جائے گا" (سیر عالم النبلاء 17/251)۔ سعید بن العاصؓ، جو کہ مدینہ کے حاکم تھے، انھوں نے اعلان کیا تھا، مَا شَتَمْتُ رَجُلا مُنْذُ كُنْتُ رَجُلا " جب سے میں آدمی بنا، میں نے کسی آدمی کی توہین نہیں کی"۔ (ماخذ: الحلم لابن أبي دنيا 119)۔

نوجوان صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو تعلیم دیتے ہوئے، اللہ کے رسول ﷺ صبر کا مظاہرہ کرتے، ان کے اعتماد کو برقرار رکھتے اور ان کی ناگزیر غلطیوں کو برداشت کرتے تھے۔ انسؓ سے روایت ہے کہ، **خَدَمْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم عَشْرَ سِنِينَ، فَمَا قَالَ لِي أُفٍّ وَلاَ لِمَ صَنَعْتَ وَلاَ أَلاَّ صَنَعْتَ "میں نے رسول اللہ ﷺ کی دس سال تک خدمت کی لیکن آپ نے کبھی مجھے 'اف' تک نہیں کہا اور نہ کبھی یہ کہا کہ 'فلاں کام کیوں کیا اور فلاں کام کیوں نہیں کیا؟'"** (بخاری)۔ نوجوان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعلیم دیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ ان کے ذہنوں کو متحرک کرتے تھے۔ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ، **كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله**

عليه وسلم فَأُتِيَ بِجُمَّارٍ فَقَالَ " إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً مَثَلُهَا كَمَثَلِ الْمُسْلِمِ ". فَأَرَدْتُ أَنْ أَقُولَ هِيَ النَّخْلَةُ، فَإِذَا أَنَا أَصْغَرُ الْقَوْمِ فَسَكَتُّ، قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم " هِيَ النَّخْلَةُ "ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے اور آپ ﷺ کے پاس کھجور کے درخت کی تازہ کھجوریں لائی گئیں۔اِس پر انھوں نے کہا، 'درختوں میں ایک درخت ہے جو مسلمان سے مشابہت رکھتا ہے'۔میں کہنا چاہتا تھا کہ یہ کھجور کا درخت ہے، لیکن چونکہ میں (ان میں سے) سب سے چھوٹا تھا اس لیے میں خاموش رہا۔ اور پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'یہ کھجور کا درخت ہے'"(بخاری)۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بچوں کو ایسے تعلیم دی جیسے آپ ﷺ ان کے والد ہوں اور ان کی مثبت حوصلہ افزائی کی۔ رسول اللہ ﷺ کی بیوی حضرت حفصہؓ نے اپنے بھائی عبد اللہ بن عمرؓ کو بتایا کہ آپ ﷺ نے انہیں بتایا تھا کہ، إِنَّ عَبْدَ اللَّهِ رَجُلٌ صَالِحٌ لَوْ كَانَ يُكْثِرُ الصَّلاَةَ مِنَ اللَّيْلِ "عبداللہ ایک نیک آدمی ہے، اگر وہ رات کو زیادہ نماز پڑھے"(بخاری)۔ الزہری نے فرمایا، وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ بَعْدَ ذَلِكَ يُكْثِرُ الصَّلاَةَ مِنَ اللَّيْلِ"اس کے بعد عبداللہ رات کو زیادہ نماز پڑھتے تھے"۔

رسول اللہ ﷺ ہر معاملے کو اپنے ہاتھ میں نہیں رکھتے تھے بلکہ آپ ﷺ نے نوجوانوں کو اچھی طرح تیار کرنے کیلئے انھیں بڑی اور اہم ذمہ داریاں سونپیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک فوج اسامہ بن زیدؓ کی قیادت میں روانہ کی جب وہ صرف بیس سال کے تھے۔ جب کچھ لوگوں نے اسامہؓ کی قیادت پر سوال اٹھائے تو رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا، إِنْ تَطْعُنُوا فِي إِمَارَتِهِ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعُنُونَ فِي إِمَارَةِ أَبِيهِ مِنْ قَبْلُ، وَايْمُ اللَّهِ، إِنْ كَانَ لَخَلِيقًا لِلإِمَارَةِ"اگر آج تم اس (اسامہ) کے امیر بنائے جانے پر اعتراض کر رہے ہو تو اس سے پہلے اس کے باپ کے امیر بنائے جانے پر بھی تم نے اعتراض کیا تھا اور خدا کی قسم وہ (زیدؓ) امارت کے مستحق تھے"(بخاری)۔

والد اپنے بچوں کی دینی تربیت کرتا ہے

ایک مسلمان والد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کی دینی تربیت کرے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ"اے مومنو! اپنے

آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ (جہنم) سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں" (التحریم، 66:6)۔ ابن عباسؓ نے فرمایا، اعملوا بطاعة الله واتقوا معاصي الله وأمروا أهليكم بالذكر ينجيكم الله من النار "اللہ کی اطاعت کرو، اللہ کی نافرمانی سے بچو، اور اپنے گھر والوں کو حکم دو کہ اللہ کو یاد کریں، پھر اللہ تمھیں جہنم کی آگ سے بچائے گا"۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، اعملوا أنفسكم وأهليكم الخير وأدبوهم "تم اور تمہارے گھر والے خیر کے کام کریں اور تم انہیں لازمی نظم و ضبط کا پابند کرو"۔ مجاہد نے فرمایا، اتقوا الله وأوصوا أهليكم بتقوى الله ، "اللہ سے تقویٰ اختیار کرو اور اپنے اہل و عیال کو تقویٰ کا حکم دو"۔ قتادہ نے فرمایا، تأمرهم بطاعة الله وتنهاهم عن معصية الله وأن تقوم عليهم بأمر الله وتأمرهم به وتساعدهم عليه فإذا رأيت لله معصية قذعتهم عنها وزجرتهم عنها، "وہ (والد) اللہ کی اطاعت کرنے اور اس کی نافرمانی نہ کرنے کا حکم دیتا ہے، وہ اپنے گھر والوں کو حکم دیتا ہے کہ اللہ کے احکامات کو تسلیم کریں اور ان احکامات پر عمل کرنے میں ان کی مدد کرتا ہے۔ جب وہ اُن میں سے کسی کو نافرمانی کرتے دیکھتا ہے، تو وہ انہیں روکتا ہے اور انہیں وہ عمل کرنے سے منع کرتا ہے"۔

والد ایک استاد ہوتا ہے جو اپنے بچوں کو فرائض اور حرام کاموں سے آگاہ کرتا ہے۔ سورۃ تحریم کی آیت 6 کے متعلق ضحک اور مقاتیل نے فرمایا، حق المسلم أن يعلم أهله من قرابته ما فرض الله عليهم وما نهاهم الله عنه ، "مسلمان پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنے قریبی خاندان کے افراد کو یہ سکھائے جو اللہ نے ان پر فرض کیا ہے اور جو اللہ نے ان کے لیے حرام کیا ہے"۔ مسلمان والد اپنے بچوں کو اسلام سکھانے کا ذمہ دار ہے، چاہے وہ خود ایسا کرے یا اپنی ذاتی نگرانی میں کسی دوسرے کے ذریعے اس بات کو یقینی بنائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ "(دین کا) علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے"** (ترمذی)۔ فرض یہ ہے کہ مسلمانوں کی زندگی کے لیے ضروری تمام احکامات سے آگاہی حاصل کی جائے، چاہے اس کا تعلق نماز، روزہ، مالی لین دین، مخالف جنس کے ساتھ برتاؤ کرنے سے ہو یا اچھائی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے سے ہو۔

دوسرے خلیفہ راشد، عمر الفاروقؓ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے اپنے بیٹے کے برے سلوک کے متعلق شکایت کی۔ لہٰذا عمرؓ نے اس کے بیٹے کو بلوایا اور پوچھا، لماذا تعق والدك؟ "تم کیوں اپنے والد کی بے عزتی کرتے ہو؟" بیٹے نے کہا، "اے امیر المومنین، کیا بیٹے کا اپنے والد پر حق نہیں ہے؟" عمرؓ نے اس کی بات سے اتفاق کیا اور کہا، "بالکل"۔ تو بیٹے نے پوچھا، "تو وہ (حق) کیا ہیں؟" عمرؓ نے جواب دیا، أن ينتقي أمه، ويحسن اسمه، ويعلّمه الكتاب "وہ اس کی والدہ کا انتخاب کرتا ہے، اپنے بیٹے کا خوبصورت نام رکھتا ہے اور اسے کتاب (یعنی قرآن) سکھاتا ہے"۔ بیٹے نے جواب دیا، "بے شک میرے والد نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ جہاں تک میری ماں کا تعلق ہے، وہ ایک مجوسی (آگ کی پوجا کرنے والی) تھیں۔ اس نے مجھے جلالان (گوبر کا کیڑا) کا نام دیا اور اس نے مجھے قرآن کا ایک حرف بھی نہیں سکھایا"۔ یہ سن کر عمرؓ نے اس کے والد سے کہا، أيها الرجل أجئت إليَّ تشكو عقوق ابنك وقد عققته قبل أن يعقك، وأسأت إليه قبل أن يسيء إليك "اے صاحب! آپ میرے پاس اپنے بیٹے کی حقارت کی شکایت کرنے آئے ہیں۔ آپ پہلے اپنے فرض میں ناکام رہے ہیں اس سے پہلے کہ وہ آپ کے ساتھ اپنے فرض میں ناکام ہوا۔ آپ نے پہلے اس کے ساتھ ظلم کیا اس سے پہلے کہ اس نے آپ پر ظلم کیا"۔

جہاں تک عمر الخطابؓ کے اپنے بیٹے، عبداللہ بن عمرؓ کا تعلق ہے تو ان کے والد نے ان کا حق ادا کیا۔ عبداللہ بن عمرؓ رسول اللہ ﷺ کے صحابی تھے، وہ سنت کی روایت کرنے والے تھے، وہ ایک فقیہ تھے اور وہ مسلمانوں کو رہنمائی فراہم کرتے تھے۔ درحقیقت یہ چار "عبداللہ" تھے جن میں سے ایک عبداللہ بن عمرؓ تھے جنہوں نے امیر معاویہ کا اس وقت سخت احتساب کیا جب انہوں نے اپنے بیٹے یزید کو اپنے بعد خلیفہ بنانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا تھا، فإن هذه الخلافة ليست بهرقلية، ولا قيصرية، ولا كسروية، يتوارثها الأبناء عن الآباء، ولو كانت كذلك كنت القائم بها بعد أبي، فوالله ما أدخلني مع السنة من أصحاب اشورى إلا على أن الخلافة ليست شرطا مشروطا "یہ خلافت نہ تو بازنطینی ہے، نہ قیصری (رومی) اور نہ ہی خسرانی (ایرانی)، جہاں حکومت بیٹوں کو باپ سے وراثت میں ملتی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اپنے والد کے بعد یہ کام کرنے والا میں ہوتا۔ اللہ کی قسم، انہوں نے مجھے شوریٰ کے چھ افراد میں شامل نہیں کیا، سوائے اس شرط کے کہ خلافت مقرر نہ ہو"۔

مالکی امام، ابوالحسن علی بن خلف الکابیسی، نے فرمایا، فمن رغب إلى الله أن يجعل له من ذريته قرة أعين، لم يبخل على ولده بما ينفقه عليه في تعليمه القرآن، فلعل الوالد إذا أنفق ماله في تعليمه القرآن أن يكون من السابقين بالخيرات - بإذن الله - والذي يعلّم ولده فيحسن تعليمه، ويؤدبه فيحسن تأديبه، قد عمل عملاً يُرجَى له من تضعيف الأجر فيه "جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کی اولاد کو اس کی آنکھوں کے لیے ٹھنڈک بنادے، تو وہ اپنے بیٹے کے ساتھ اس بات میں بخل (کنجوسی) نہیں کرے گا کہ وہ قرآن کی تعلیم کے لیے اس پر خرچ کرے۔ ممکن ہے کہ اگر وہ (یعنی والد) قرآن پڑھانے پر اپنا پیسہ خرچ کرتا ہے تو ایسا باپ نیک کاموں میں سب سے آگے ہوگا، ان شاءاللہ، اور جو اپنے بچے کو اچھی طرح پڑھاتا ہے، اس کی تعلیم اور نظم وضبط کو بہتر بناتا ہے تاکہ وہ اچھی طرح سے نظم وضبط کا پابند ہو جائے، تو اس نے ایک ایسا عمل کیا ہے جس کے لیے امید ہے کہ ثواب دوگنا ہو جائے گا"۔

والد اپنے بچوں میں یقین کے ساتھ ایمان قائم کرتا ہے

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، **وَوَصَّى بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى لَكُمُ الدِّينَ فَلا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ "اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اسی بات کی وصیت کی اور یعقوب نے بھی (اپنے بیٹوں سے یہی کہا) کہ بیٹا اللہ نے تمہارے لیے یہی دین (اسلام) پسند فرمایا ہے تو مرنا ہے تو مسلمان ہی مرنا"** (البقرۃ، 2:132)۔ باپ اپنے بچوں کو اسلام پر ایمان رکھنے پر مضبوطی سے قائم کرتا ہے، اس میں وہ رسول اللہ ﷺ کی مثال کی تقلید کرتا ہے جنھوں نے دارِ ارقم میں نوجوان صحابہ کرامؓ کی پرورش کی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مسلمانوں کو یاد دلاتا ہے کہ ہماری اولادیں ان کے ایمان کی وجہ سے درجات میں بلند ہوں گی اور اپنے اچھے باپوں کے ساتھ جنت کی زندگی میں شامل ہوں گے۔ موت کے ذریعے عارضی طور پر علیحدگی کے بعد یہ واقعی ایک خوشگوار ابدی ملاپ ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُم مِّنْ عَمَلِهِم مِّن شَيْءٍ "اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی (راہ) ایمان میں ان کے پیچھے چلی، ہم ان کی اولاد کو بھی ان (کے درجے) تک پہنچادیں گے اور ان کے اعمال میں سے کچھ کم نہ کریں**

گے "(الطور، 52:21)۔اسلام باپ کو آخرت میں اپنے بچوں کے درجات بلند کرنے کا اعلیٰ نظریہ دیتا ہے، بجائے دنیا میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے کے پست نظریے کے کہ اس کی اولاد دنیاوی حیثیت یعنی دولت، تعلیم اور سہولیات میں دوسروں سے آگے نکل جائے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ ۖ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ "اور (اُس وقت کو یاد کرو) جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا۔ شرک تو بڑا (بھاری) ظلم ہے "**(لقمان، 31:13)۔ اسلام میں، باپ، اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ والدین رہنمائی میں مرکزی اثر و رسوخ رکھتے ہیں، اپنے بچے میں یقین کی حد تک اس ایمان کو قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ "ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی (عیسائی) یا مجوسی (آگ کی پوجا کرنے والا) بنا لیتے ہیں "**(بخاری و مسلم)۔

اسلام کے عقیدے پر ایمان کے حوالے سے، آج کے والد کو سیکولر ریاستوں کے تحت ایک بڑا چیلنج درپیش ہے جو ہمارے دین کو نقصان پہنچا رہی ہیں۔ سیکولر نظام مذہب کو دنیا کی زندگی سے لاتعلق کرنے پر مبنی ہے، تاکہ عقیدے کا مسئلہ غیر اہم ہو جائے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ پوری دنیا میں عقیدے سے متعلق شک اور لایقینی (اگنوسٹسزم) عروج پر ہے، جہاں لوگ اعلان کرتے ہیں کہ وہ زندگی کی منزل (یعنی آخرت) کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ عقیدے سے متعلق اس لایقینی کا عروج کوئی حادثہ نہیں بلکہ اُس تعلیم اور سوشل میڈیا کا براہ راست نتیجہ ہے جو سیکولرازم پر مبنی ہے۔ اس لئے مسلمان والد کو مضبوط اور وسیع اسلامی تعلیمات پر بھرپور توجہ دینی چاہیے تاکہ اولاد میں ایمان اچھی طرح سے قائم ہو۔

والد کو لازمی طور پر ان موضوعات کو پڑھنا اور انہیں اپنی اولاد کو سمجھانا چاہیے، جیسا کہ؛ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ناگزیر وجود، رسولوں کی ضرورت، قرآن مجید کا بے مثال معجزہ، سنتِ رسول کا یقینی طور پر وحی ہونا اور قضا و قدر کا معاملہ۔ اس کے ساتھ ساتھ، اسے سیکولر ماحول کی بدعنوانی سے آگاہ ہونا چاہیے جو کہ مادیت کو کائنات کا اصل قرار دیتے ہوئے

اسلام اور اس کے الہامی نصوص کے برحق ہونے کو چیلنج کرتا ہے۔ اسے مقامی روایات میں موجود خرابیوں سے بھی آگاہ ہونا چاہیے، جہاں کسی چیز پر ایمان بغیر ثبوت کے وراثت میں ملتا ہے، جبکہ تقدیر پر اس طرح سے یقین کرنا کہ ہر چیز پہلے سے مقرر شدہ ہے اور انسان کے بس میں کچھ نہیں، اسلام سے وابستگی میں کمزوری کا باعث بنتا ہے۔ چنانچہ ایک والد اپنے گھر کو دارِ ارقم کا نمونہ بناتا ہے، وہ گھر جو ہدایت کی روشنی کے ساتھ ساتھ جھوٹے کفر عقائد کی تردید سے روشن ہوتا ہے۔ یہ ہمارے بچوں کی قوت مدافعت کو اس کفر کے خطرے کے خلاف مضبوط کرنے کا صحیح طریقہ ہے جو کورونا وائرس سے بھی بدتر ہے اور ہمیشہ رہنے والی آخرت کو برباد کر سکتا ہے۔

ان تمام تر کوششوں کے باوجود رہنمائی و ہدایت اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس لیے والد کو مسلسل یہ دعا کرنی چاہیے کہ مشکل حالات میں بھی اس کے بچوں کے ایمان میں کوئی کمزوری نہ آئے، اور وہ یہ جانتے ہوئے دعا کرے کہ وہ اُن لوگوں میں سے ہے جن کی دعا مسترد نہیں کی جاتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **ثَلاَثُ دَعَوَاتٍ يُسْتَجَابُ لَهُنَّ لاَ شَكَّ فِيهِنَّ دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهِ "تین دعائیں ہیں جن کا بلاشبہ جواب دیا جائے گا: ایک (مظلوم) کی دعا جس پر ظلم ہوا؛ مسافر کی دعا اور باپ کی اپنے بچے کے لیے دعا"** (ابن ماجہ)۔

والد اسلام پر عمل کرنے کے لیے اولاد کو نظم وضبط کا پابند بناتا ہے

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَاماً "اور وہ جو (اللہ سے) دعا مانگتے ہیں کہ اے پروردگار! ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے (دل کا چین) اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا"** (الفرقان، 25:74)۔

اسلام والد پر یہ فرض عائد کرتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اللہ کی عبادت اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے کی طرف رہنمائی کرے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے لقمانؑ کی جانب سے اپنے بیٹے کو دی جانے والی نصیحت کو قرآن میں بیان فرمایا، **يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ ۖ إِنَّ**

ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ "اے میرے بیٹے! نماز کی پابندی رکھنا اور (لوگوں کو) اچھے کاموں کے کرنے کا حکم اور بری باتوں سے منع کرتے رہنا اور جو مصیبت تجھ پر واقع ہو اس پر صبر کرنا۔ بیشک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں" (لقمان، 31:17)۔ باپ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا کرتا ہے اور اس بات کو یقینی بنانے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کی اولاد میں راست بازی پیدا ہو۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحاً تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ "اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ تو نے جو احسان مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کئے ہیں ان کا شکر گزار ہوں اور یہ کہ نیک عمل کروں جن کو تو پسند کرے۔ اور میرے لئے میری اولاد میں صلاح (تقویٰ) دے۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں فرمانبرداروں میں ہوں" (الاحقاف، 46:15)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نَحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ "کوئی باپ اپنی اولاد کو اچھے ادب سے افضل اور بہتر تحفہ نہیں دے سکتا" (ترمذی)۔

اس طرح، ایک دوستانہ اور توجہ دینے والے استاد کے طور پر، باپ سمجھداری سے نظم وضبط کا خیال رکھتا ہے، اپنی محبوب اولاد کو اللہ (عزوجل) کے غضب اور آخرت میں سزا سے محفوظ رکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، لَأَنْ يُؤَدِّبَ الرَّجُلُ وَلَدَهُ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِصَاعٍ "ایک آدمی اپنے بیٹے کو نظم وضبط کا پابند کرے، یہ اس کے لیے ایک صاع صدقہ دینے سے بہتر ہے" (ترمذی)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مَنْ عَالَ ثَلَاثَ بَنَاتٍ فَأَدَّبَهُنَّ وَزَوَّجَهُنَّ وَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ فَلَهُ الْجَنَّةُ "اگر کوئی تین بیٹیوں کا خیال رکھتا ہے، ان کی تربیت کرتا ہے، ان کی شادی کرتا ہے اور ان کے ساتھ بھلائی کرتا ہے تو وہ جنت میں جائے گا" (ابوداؤد)۔

والد کی طرف سے نظم وضبط کی تربیت ہمدردی اور دیکھ بھال سے پیدا ہوتی ہے، مایوسی، غصے اور بغض سے نہیں۔ والد کی جانب سے نظم وضبط اپنے بچوں کی دنیاوی خواہشات کے لیے نہیں ہوتا بلکہ اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا، اور کبھی نہ ختم ہونے والی آخرت میں بچے کی حیثیت کو بلند کرنا ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مَنْ كَانَ أَصْبَحَ صَائِمًا فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ وَمَنْ كَانَ أَصْبَحَ مُفْطِرًا فَلْيُتِمَّ بَقِيَّةَ يَوْمِهِ "جس نے روزہ رکھا

وہ اپنا روزہ پورا کرے اور جس نے صبح کھانا کھالیا ہو وہ باقی دن پورا کرے (یعنی اب کچھ نہ کھائے)" (مسلم)۔ مسلم نے مزید روایت کی کہ صحابہؓ نے کہا: فَكُنَّا بَعْدَ ذَلِكَ نَصُومُهُ وَنُصَوِّمُ صِبْيَانَنَا الصِّغَارَ مِنْهُمْ إِنْ شَاءَ اللَّهُ وَنَذْهَبُ إِلَى الْمَسْجِدِ فَنَجْعَلُ لَهُمُ اللُّعْبَةَ مِنَ الْعِهْنِ فَإِذَا بَكَى أَحَدُهُمْ عَلَى الطَّعَامِ أَعْطَيْنَاهَا إِيَّاهُ عِنْدَ الإِفْطَارِ " پھر اس کے بعد ہم روزہ رکھا کرتے تھے اور اپنے بچوں کو بھی روزہ رکھواتے تھے، ان شاءاللہ، اور جب ہم مسجد کو جاتے تھے تو بچوں کے لیے اون کے کھلونے بنا لیتے تھے، پھر ان میں سے جب کوئی بھوک سے رونے لگتا تھا تو اس کو وہی کھیلنے کو دے دیتے تھے یہاں تک کہ افطار کا وقت آجاتا تھا"۔

تعلیم دینے، حکم دینے، حوصلہ دینے، نصیحت کرنے، اور تنبیہ کرنے کے بعد آخری حربے کے طور پر، باپ کو دس سال سے زیادہ عمر کے بچے کو نماز ادا نہ کرنے پر مارنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **مُرُوا الصَّبِيَّ بِالصَّلَاةِ إِذَا بَلَغَ سَبْعَ سِنِينَ، فَإِذَا بَلَغَ عَشْرَ سِنِينَ فَاضْرِبُوهُ عَلَيْهَا" بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز پڑھنے کا حکم دو، اور جب دس سال کے ہو جائیں تو اس (کے ترک کرنے) پر انہیں مارو"** (ابو داود، ترمذی)۔

آج، مسلمان باپ کو نظم وضبط میں خاص طور پر ہوشیار رہنا چاہیے، کیونکہ آج اسلام ایک طرز زندگی کے طور پر موجود نہیں ہے۔ عالمی سطح پر سیکولرازم کے غلبے کی وجہ سے لبرل اقدار ہمارے نوجوانوں کو بگاڑ رہی ہیں۔ اس کے نتیجے میں آنے والے مسائل والد کے لیے ایک بڑی تشویش بن گئے ہیں، خاص طور پر نوجوانوں اور نوعمروں کے مسائل کے حوالے سے۔ یہ ایک عام بات بن گئی ہے کہ والد اپنے بچوں کے طرز عمل پر چیختا چلاتا اور روتا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ اپنے دورِ جوانی یا بچپن کے وقت میں نظم وضبط اور ایک دوسرے کو دی جانی والی عزت کو یاد کرتا ہے۔ تعلیم اور سوشل میڈیا کی بڑھتی ہوئی مغربیت نے واقعی تباہ کن اثرات مرتب کیے ہیں۔ انفرادیت کسی بھی اتھارٹی، حکم دینے والے، کے حوالے سے فطری ناپسندیدگی پیدا کرتی ہے، بشمول اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم کے، تو باپ کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟

مادیت اور لذت پسندی، بغیر کسی پابندی یا رہنمائی کے، خواہشات کو پورا کرنے کا احساس پیدا کرتی ہے۔ سیکولر نظام کے تحت اب یہ بات نایاب نہیں کہ نوجوان مسلمان اپنی ذمہ داریوں کو نظرانداز کرتے ہوئے شراب نوشی، نشہ اور بدکاری میں ملوث ہوتے ہیں۔ اخلاقی بدعنوانی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ غیر شادی شدہ جوڑے اسقاط حمل کر رہے ہیں، جبکہ کچھ خود کو ہم جنس پرست بھی قرار دیتے ہیں۔

یہ سب کچھ مسلم خاندانوں میں پیدا ہونے والی اُن کمزور شخصیات کے علاوہ ہے جو اپنے غصے کو روکنے سے قاصر ہیں، عورتوں اور بچوں پر ظلم کرتے ہیں، انہیں بے رحمانہ مار پیٹ اور ذہنی اذیت کا نشانہ بناتے ہیں۔ یہ مسائل مسلم دنیا کے ساتھ ساتھ مغرب میں بھی موجود ہیں، فرق صرف ان کی شدت کا ہے۔

والد مالی طور پر اولاد کی دیکھ بھال کا ذمہ دار ہوتا ہے

اسلام میں، یہ والد ہوتا ہے جو بیوی اور بچوں پر خرچ کرنے کا پابند ہے۔ عورت بحیثیت بیوی یا ماں، بچوں یا شوہر کی دیکھ بھال کے لیے خرچ کرنے کی پابند نہیں ہے، چاہے وہ کتنا ہی کمائے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، **الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ "مرد عورتوں کے نگران ہیں، کیونکہ مردوں کو اللہ نے عورتوں پر فضیلت دی ہے اور ان کی مالی مدد کی ذمہ داری سونپی ہے"** (النساء، 4:34)۔ اسلام نے والد پر لازم کیا ہے کہ وہ اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں پر خرچ کرے جس میں اس کے اپنے بچے بھی شامل ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، **قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ "جو بھی تم خرچ کرتے ہو وہ والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے ہے"** (البقرۃ، 2:215)۔

والد کی طرف سے خرچ کیا جانے والا مال نہ تو احسان ہے اور نہ ہی صدقہ ہے بلکہ اللہ کی طرف سے فرض ہے۔ یہ ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کافی ہونا چاہیے اور اس میں کنجوسی نہیں ہونی چاہیے۔ اس معاملے میں کسی بھی قسم کی کوتاہی ایک سنجیدہ معاملہ ہے، جس کے نتیجے میں اسلامی قاضی فیصلہ کر سکتا ہے۔ ہند بنت عتبہ نے رسول

اللہ ﷺ سے کہا، "ابو سفیان ایک کنجوس آدمی ہیں اور مجھے ان کی دولت میں سے کچھ لینا پڑتا ہے"۔ رسول اللہ ﷺ فرمایا، **خُذِي مَا يَكْفِيكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوفِ "مناسب انداز سے اتنا لے لو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کے لیے کافی (بالمعروف) ہو"** (بخاری)۔

مالی دیکھ بھال کے حوالے سے، بالمعروف میں بنیادی ضروریات جیسے کھانا، لباس، رہائش اور کچھ دیگر سہولیات شامل ہیں۔ بالمعروف ایک معقول معیار ہے جو اس علاقے کے شہری آبادکاری کے درجے پر منحصر ہے اور اس حوالے سے یہ دیکھا جانا ضروری ہے کہ خاندان شہر میں رہتا ہے، کسی گاؤں میں آباد ہے یا کسی صحرا یا ریگستان میں رہتا ہے۔

یہ مالی دیکھ بھال آج مسلم دنیا میں کفر کی بنیاد پر قائم نقصان دہ ریاستوں کی وجہ سے ایک چیلنج بن گئی ہے۔ معقول معیار کی مفت تعلیم اور صحت کی سہولیات کی عدم موجودگی کی وجہ سے، بہت سے والد حضرات کو نجی تعلیم اور صحت کی سہولیات کے کمر توڑ بوجھ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دوسرے فرائض تو درکنار، والد کے لیے اپنے بیوی بچوں کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ بہر حال، مالی دیکھ بھال والد کے کئی فرائض میں سے ایک فرض ہے نہ کہ اکلوتا فرض۔

نتیجہ: متقی بچے اپنے والد کو اُس کی زندگی میں اور اس کی موت کے بعد، دونوں صورتوں میں فائدہ پہنچاتے ہیں

بے شک مسلمان والد کی اپنی اولاد کے حوالے سے بہت سی ذمہ داریاں ہیں، جن کو پورا کرنے پر اجر اور انہیں نظر انداز کرنے پر سزا ہے۔ باپ اپنے گھر کا سرپرست ہے اور اس سے اس کی سرپرستی کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **إن الله سائلٌ كلَّ راعٍ عما استرعاه أَحَفِظَ أم ضيَع حتى يُسألَ الرجلُ عن أهلِ بيتِه "بیشک اللہ تعالیٰ ہر نگران سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کرے گا کہ کیا اُس نے ذمہ داری پوری کی یا اس میں غفلت کا مظاہرہ کیا، حتیٰ کہ وہ بندے سے اس کے گھر والوں کے بارے میں بھی**

پوچھے گا"(النسائی، ابن حبان)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللهُ رَعِيَّةً يَموتُ يَوْمَ يَمُوتُ وهو غَاشٌّ لِرَعِيَّتِهِ إلا حَرَّمَ اللهُ عليه الجَنَّةَ** "کوئی بندہ ایسا نہیں جس کو اللہ تعالیٰ رعیت دے پھر وہ اس حالت میں مرے کہ وہ اپنی رعیت کے حقوق میں خیانت کرتا ہو، سوائے یہ کہ اللہ اس پر جنت کو حرام کردے گا"(مسلم)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللَّهُ رَعِيَّةً فَلَمْ يَحُطْهَا بِنَصِيحَةٍ إِلَّا لَمْ يجد رَائِحَة الْجنَّة** "اللہ جس بندے کو کسی رعیت کا نگہبان بنائے اور وہ ان کے ساتھ خیر خواہی نہ کرے تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا"(بخاری)۔

مبارک باپ وہی ہے جو اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت اور انھیں نظم و ضبط کا پابند بنانے کے لیے اپنا فرض ادا کرتا ہے اور اللہ کی ہدایت سے نیک اولاد کا مالک بنتا ہے۔ اس طرح کے بچے وہ ہوتے ہیں جو رضاکارانہ طور پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں اپنے والد کی اطاعت کرتے ہیں جو اس کا حق ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے فضل سے، فرض شناس والد اپنی زندگی میں برکت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے رب کی طرف لوٹنے کے بعد بھی برکت پاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلاَّ مِنْ ثَلاَثَةٍ إِلاَّ مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ** "جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے: ایک صدقہ جاریہ ہے، دوسرا ایسا علم ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں اور تیسرا نیک و صالح اولاد ہے جو اس کے لیے دعا کرے"(النسائی)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **إِنَّ الرَّجُلَ لَتُرْفَعُ دَرَجَتُهُ فِي الْجَنَّةِ فَيَقُولُ أَنَّى هَذَا فَيُقَالُ بِاسْتِغْفَارِ وَلَدِكَ لَكَ** "آدمی کا درجہ جنت میں بلند کیا جائے گا، پھر وہ کہے گا کہ میرا درجہ کیسے بلند ہو گیا (حالانکہ ہمیں عمل کا کوئی موقع نہیں رہا) اس کو جواب دیا جائے گا: تیرے لیے تیری اولاد کے دعا و استغفار کرنے کے سبب سے"(ابن ماجہ)۔

اے اللہ! ہمیں والد کی حیثیت سے اپنے فرائض پورے کرنے کی توفیق عطاء فرما! ہمارے بیٹے اور بیٹیاں ہماری آنکھوں کے لیے ٹھنڈک اور امت مسلمہ کے لیے ستون ثابت ہوں! ہماری اولاد وہ ہو جو ہمارے ساتھ نبوت

کے نقش قدم پر دوسری خلافت کو دوبارہ قائم کرنے، اسلام کو زندگی گزارنے کے طریقے کے طور پر دوبارہ شروع کرنے اور پوری دنیا میں اسلام کو ایک دعوت کے طور پر لے جانے کے کام میں جدوجہد کرے۔ آمین!

احمد نے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ، جنہوں نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات کو اپنی زبان میں اپنی سنت کے طور پر بیان کیا اور وہ کچھ نہیں کہتے تھے سوائے اس کے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ ﷺ پر وحی کیا، نے اعلان فرمایا، **تَكُونُ النُّبُوَّةُ فِيكُمْ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةٌ عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا عَاضًّا فَيَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ يَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّة**"تم میں نبوت باقی رہے گی جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب اللہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو ختم کر دے گا۔ پھر نبوت کے طریقے پر خلافت قائم ہو گی، وہ تب تک رہے گی جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب اللہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو ختم کر دے گا۔ پھر دانتوں سے جکڑ لینے والی بادشاہت ہو گی، وہ تب تک رہے گی جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب اللہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو ختم کر دے گا۔ پھر جبری حکومت کا دور ہو گا، وہ تب تک رہے گا جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب اللہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو ختم کر دے گا۔ پھر نبوت کے طریقے پر خلافت قائم ہو گی"، اس کے بعد آپ ﷺ خاموش ہو گئے، (احمد)۔

فہرست

خلافت کی فرضیت کے متعلق

خلیل مصعب-پاکستان

تعارف: خلافت کی فرضیت شرعی دلائل سے ثابت شدہ ہے۔

کابل کی آزادی کے بعد، خطے میں خلافت کی ضرورت کے حوالے سے بحث شروع ہوگئی ہے تاکہ موجودہ ریاستوں کو ایک ریاست کے طور پر ضم کیا جاسکے۔ یہ درحقیقت دینِ اسلام میں ایک انتہائی ضروری بحث ہے جو ایک عظیم فرض سے متعلق ہے، جس سے غفلت برتنا گناہ ہے۔

معزز مولانا محمد علی جوہر، جو برصغیر پاک و ہند کی تاریخی تحریکِ خلافت کی ایک اہم شخصیت تھے، انھوں نے خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے کے حوالے سے لکھا: "ترکی جس کے بارے میں یورپ نے ہمیں مشورہ دیا کہ اسے کے حصے بخرے کر دیے جائیں، ہمارے ذیلی شعور میں ایک خاص رگ کو چھو گیا ہے، جو کہ مذہب کی رگ ہے؛ کیونکہ ترکی کا حکمران دراصل خلیفہ یعنی نبی ﷺ کا جانشین اور امیر المومنین تھا اور خلافت بنیادی طور پر ہمارا مذہبی معاملہ تھا جیسا کہ قرآن یا سنت نبوی ﷺ ہے"۔

اس بات کو کثرت سے واضح کرنا چاہیے کہ خلافت ہمارے دین سے باہر کا معاملہ نہیں ہے۔ جیسا کہ مولانا نے صحیح کہا ہے، یہ ایک ایسا معاملہ ہے کہ جسے اتنی ہی مذہبی تشویش پیدا کرنی چاہیے جتنا کوئی بھی دوسرا فرض، جو قرآن کریم اور سنت کی طرف سے عائد ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے جو کچھ نازل کیا ہے اس کے مطابق حکمرانی کرنا فرض ہے۔ لہٰذا خلافت کے قیام کے بغیر دین مکمل طور پر نافذ نہیں ہو سکتا۔

اس بات کو رسول اللہ ﷺ کے عظیم صحابہؓ نے سمجھا جو رسول اللہ ﷺ کے وصال پر مومنین کے لیے خلیفہ کے چناؤ کے لیے لپکے۔ اس کے بعد اگلے 1300 سال تک علم اور اختیار والے خلافت کی مرکزیت سے آگاہ رہے۔

تاہم، جب اتحادی طاقتوں اور ان کے ایجنٹ 1924ء میں خلافت عثمانیہ کو ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے، تو انہوں نے عربوں اور ترکوں میں موجود غداروں کے ساتھ مل کر مسلم دنیا کو سیکولر کرنے اور امت کو خلافت کے قیام کی ذمہ داری بھلا دینے کی حکمت عملی پر عمل شروع کیا۔

اس حقیقت کے باوجود آج ایسے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ خلافت فرض نہیں ہے۔ ان کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ خلافت کا معاملہ امت کی مرضی کے تابع ہے کہ وہ اسے اختیار کرنا چاہتی ہے یا نہیں۔ جو لوگ ایسا موقف رکھتے ہیں وہ خلافت کی فرضیت کے حوالے سے موجود دلائل کا درست فہم نہیں رکھتے۔ لہذا، اس معاملے کو حل کرنے کے لیے، اور یہ فیصلہ کرنے کے لیے کہ خلافت واقعی ایک فرض ہے، شرعی دلائل کا جائزہ لیا جانا چاہیے، جو قرآنِ کریم، مبارک سنت نبوی ﷺ، اور اجماع صحابہؓ میں موجود ہیں۔

اللہ کی عظیم کتاب قرآنِ مجید سے دلائل:

سورۃ المائدہ، آیت 44 میں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کا ارشاد ہے، **وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ** "اور جو بھی اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا، تو ایسے لوگ ہی کافر ہیں"۔ ابنِ کثیر نے اس آیت کے بارے میں اپنی تفسیر میں تبصرہ کیا: وقال علی بن أبی طلحة عن ابن عباس قوله: **(وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ)** قال: ومن أقر به ولم يحكم فهو ظالم فاسق. رواه ابن جرير، "علی بن ابی طلحہ نے یہ بھی بیان کیا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اللہ کے اس قول کے متعلق بیان کیا، **وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ**، 'اور جو بھی اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا، وہ کافر ہیں' کہ جو شخص اللہ کے نازل کردہ احکامات کا انکار کرتا ہے اس نے کفر کیا، اور جو کوئی اللہ کی نازل کردہ چیز کی تصدیق کرتا ہے، لیکن اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا، وہ ظالم اور فاسق اور گناہ گار ہے۔ اسے ابن جریر نے روایت کیا"۔

یہ مفروضہ کہ دین صرف زندگی کے بعض شعبوں تک محدود ہے بالکل غلط ہے۔ دین مسجد کی دہلیز پر شروع اور ختم نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ نجی اور عوامی دونوں معاملات کو گھیرے ہوئے ہے۔ یہ دراصل زندگی کے تمام معاملات کے لیے مکمل اور بہترین رہنمائی ہے۔ لہذا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں نہ صرف عبادات کا حکم دیا، بلکہ ہمیں معاملات، جہاد، حدود اور بہت کچھ کا بھی حکم دیا جن کے دلائل موجود ہیں۔ معاشرے میں چوری کرنے والے کی سزا کے لیے، سورہ المائدۃ، آیت 38 میں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ** "جہاں تک مرد اور عورت چوروں کا تعلق ہے، ان دونوں کا ہاتھ کاٹ دو، یہ ان کے اعمال کی سزا ہے، اور اللہ غالب حکمت والا ہے"۔ تمام معاشرتی لین دین میں سود کی ممانعت کے لیے، سورۃ البقرہ کی آیت 275 ہے: **وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا** "...اللہ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام کر دیا ہے..."۔ اور ایسے بہت سے احکامات ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں معاشرے میں نافذ کرنے کا حکم دیا ہے۔ جو ان صریح احکامات کو نہ مانے اس نے دراصل اپنے رب کی طرف سے عائد ہونے والے واضح فرض کا انکار کیا اور یہی کفر ہے۔

ایک بار پھر اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ، آیت 48 میں مومنین کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے معاملات کو وحی کے مطابق ترتیب دیں: **فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ** "پس آپ ﷺ ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے نازل کیا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے گا، اس حق کے مقابلے میں جو آپ کے پاس آیا ہے"۔ یہاں "ان کی خواہشات" سے مراد کافروں کی خواہشات ہیں۔ وہ اسلام کے مطابق حکومت نہیں کرتے اور اللہ کے قوانین کی بجائے ان کے بنائے ہوئے قوانین کو قبول کرنا سنگین گناہ ہے۔

پس خلافت کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ یہی وہ ریاست ہے جو اللہ کے قوانین کے نفاذ کو یقینی بنائے گی، مسلمانوں کو ایک خلیفہ کے تحت متحد کرے گی اور اپنے رب کی طرف سے ہم پر عائد فرائض کو پورا کرے گی۔ ایسی ریاست کی قیادت ایک مقرر کردہ حکمران کرے گا جس کی اطاعت کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ اس کی دلیل سورۃ نساء، آیت 59 ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں سے صاحبِ اقتدار ہیں۔ اور اگر تم کسی چیز میں تنازعہ کرو تو اسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لوٹادو"۔

حکمران کی تقرری کے ذریعے ہی تنازعات کو حل کیا جاسکتا ہے اور ریاست کے معاملات کو سنبھالا جاسکتا ہے۔ امام ماوردی نے الاحکام سلطانیہ (حکمرانی کے احکامات) میں لکھا: الإمامةُ موضوعةٌ لخِلافة النبوَّة في حراسة الدِّين وسياسة الدنيا ، وعَقْدُها لِمَن يقوم بها في الأمَّة واجبٌ بالإجماع" امامت (قیادت) دین کی سرپرستی اور دنیا کی سیاست میں نبوت کی (جانشینی) کا معاملہ ہے۔ جو امت میں اس ذمہ داری کو انجام دے سکتا ہے اس کے ساتھ خلافت کا عقد کرنا، اجماع کی بنیاد پر واجب ہے"۔

یہ علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام تنازعات میں اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی طرف رجوع کرتے ہوئے حکمرانوں کو اللہ کے احکامات کے مطابق حکمرانی کرنے پر پابند رکھیں۔ جیسا کہ امام غزالی نے اپنی کتاب احیاعلوم الدین میں بیان کیا ہے کہ: فساد الرعايا بفساد الملوك ، وفساد الملوك بفساد العلماء ، وفساد العلماء باستيلاء حب المال والجاه، ومن استولى على حب الدنيا ، لم الدرض على الأسلام فكيف على الملوك والأكابر"رعایا کا بگڑ جانا حکمرانوں کے بگاڑ کے نتیجے میں ہوتا ہے، اور حکمرانوں کا بگڑ جانا علماء کے بگڑ جانے کی وجہ سے ہوتا ہے اور علماء کا بگڑنا پیسے اور وقار کی محبت غالب آنے سے ہوتا ہے۔ اور جو دنیا کی محبت سے مغلوب ہو، وہ ادنیٰ کا محاسبہ نہیں کر سکتا، تو وہ حکمرانوں اور سرداروں کا محاسبہ کیسے کرے گا؟"۔ امام غزالی نے کہا:، فهذه كانت سيرة العلماء وعادتهم في الأمر بالمعروف والني عن المنكر ، وقلة مبالاتهم بسطوة السلاطين لكونم اتكلوا على فضل الله تعالى ين يحرسهم ، ورضوا بحكم الله تعالى أن يرزقهم الشهادة، فلما أخلصوا لله النية أثَّر كلامهم في القلوب القاسية فليَّنها وأزال قساوتها "یہ علماء کی سیرت اور روایت رہی ہے کہ وہ بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے تھے، اور حکمرانوں کی طاقت کو خاطر میں نہیں لاتے تھے؛ کیونکہ انہوں نے اللہ

کے فضل پر انحصار کیا کہ وہ ان کی حفاظت کرے گا، اور اللہ کے حکم پر راضی تھے کہ وہ انہیں شہادت دے دے۔ تو جب انہوں نے اللہ کی خاطر اپنی نیتوں کو خالص کیا تو ان کی باتوں نے سخت دلوں کو بھی کو متاثر کیا، چنانچہ اللہ نے ان سخت دل (حکمرانوں) کو نرم کیا اور ان کی سختی کو دور کیا"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مبارکہ سے دلائل

ہر ریاست کو ایک حاکم کی ضرورت ہوتی ہے اور خلافت کا حکمران خلیفہ ہوتا ہے۔ یہ وہ لقب ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے لیے منتخب کیا جو ان کے بعد حکمرانی میں آئیں گے، اگرچہ خلیفہ کو دوسرے القابات جیسے امام یا سلطان یا امیر سے بھی جانا جا سکتا ہے۔ یہ یہی قائد، یہی امام اور یہی خلیفہ ہوگا جو دین کے صحیح نفاذ کو یقینی بنائے گا۔ متعدد احادیث میں، نبی ﷺ نے خلفاء کے بارے میں بات کی جو ان کے بعد مومنین کی قیادت کریں گے۔ ان میں سے ایک ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **كانت بنو إسرائيل تسوسهم الأنبياء كلما هلك نبي خلفه نبي وإنه لا نبي بعدي وستكون خلفاء فتكثر. قالوا فما تأمرنا قال فوا ببيعة الأول فالأول وأعطوهم حقهم فإن الله سائلهم عما استرعاهم** "بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرتے تھے۔ جب کوئی نبی وفات پاتا تو دوسرا نبی اس کی جگہ لے لیتا، جبکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، بلکہ بڑی کثرت سے خلفاء ہوں گے۔ صحابہؓ نے پوچھا: آپ ﷺ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: 'تم ایک کے بعد ایک کی بیعت کو پورا کرنا اور انہیں ان کا حق ادا کرنا۔ پس اللہ تعالیٰ ان سے ان کی رعایا کے بارے میں پوچھے گا، جو اللہ نے انہیں دی" (مسلم)۔

پس جس شخص کو مسلمانوں کے معاملات سپرد کیے جاتے ہیں اس کی بیعت اور اطاعت لازم ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر فرد کو خلیفہ کو بیعت دینا لازم ہے بلکہ یہ مومنین پر فرضِ کفایہ ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائیں کہ بیعت کا معاہدہ قائم ہو جائے۔ جہاں خلیفہ کی اطاعت ہر مسلمان پر واجب ہے، وہاں خلیفہ کا انعقاد ان میں سے ایک گروہ کی طرف سے فرض کفایہ کے طور پر ادا ہوتا ہے۔ امام نووی نے صحیح مسلم کی اپنی شرح میں کہا ہے: وأجمعوا على

انعقاد الخلافة بالاستخلاف وعلى انعقادها بعقد أهل الحل والعقد لإنسان إذا لم يستخلف الخليفة وأجمعوا على جواز جعل الخليفة الأمر شورى بين جماعة كما فعل عمر بالستة وأجمعوا على أنه يجب على المسلمين نصب خليفة وَوُجُوبُهُ بِالشَّرْعِ لَا بِالْعَقْلِ "وہ (علماء) خلافت کے معاہدے پر جانشینی سے متفق ہیں اور اس پر کہ اگر خلیفہ کو مقرر نہیں کیا جاتا تو اہلِ حل و عقد اس شخص کا انعقاد کریں۔ اور انہوں نے خلیفہ کو شوریٰ (مشاورت) کے ذریعے منتخب کرنے پر بھی اتفاق کیا، جیسا کہ عمرؓ نے چھ افراد کو (مشاورت کے لیے) مقرر کیا اور وہ اس بات پر متفق تھے کہ خلیفہ مقرر کرنا مسلمانوں پر واجب ہے اور یہ ذمہ داری شریعت سے ہے نہ کہ انسانی عقل سے"۔ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ ماضی میں بیعت کا عقد اہلِ حل و عقد قائم کرتے تھے۔

اجماعِ صحابہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امت کی قیادت کرنے اور دین کو نافذ کرنے کے لیے کسی حاکم کا تقرر کرنے کی فرضیت کو مکمل طور پر سمجھتے تھے، یہاں تک کہ اس کی وجہ سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی تدفین میں تاخیر کی۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ میت کی تدفین ایک فرض ہے اور اسی طرح بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تدفین میں تاخیر کرنا اور اس کی جگہ کسی حکمران کی تقرری میں مشغول ہو جانا اور باقیوں کا اس پر خاموش رہنا، کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اسے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک بڑا فرض سمجھا۔

ابنِ خلدون نے المقدمہ میں کہا: نصب الإمام واجب قد عرف وجوبه في الشرع بإجماع الصحابة والتابعين ؛ لأن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم عند وفاته بادروا إلى بيعة أبي بكر رضي الله عنه وتسليم النظر إليه في ورمورهم ، وكذا في كل عصر من بعد ذلك ولم يترك الناس فوضى في عصر من الأعصار ، واستقم صلعم."امام کی تقرری واجب ہے، جس پر صحابہ کرامؓ اور تابعین کا مکمل اتفاق ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین آپ ﷺ کی رحلت کے وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بیعت دینے کے لیے لپکے اور خلافت کی ذمہ داری ان کے حوالے کی

تاکہ وہ خلافت کے معاملات سنبھالیں۔ آنے والی کئی صدیوں میں بھی یہی معاملہ تھا، کیونکہ لوگوں (مسلمانوں) نے اس معاملے کو نظرانداز نہیں کیا، جس سے وہ انتشار سے بچے رہے۔ لہذا، اس سے خلیفہ کی تقرری کے معاملے میں اجماع واضح ہو جاتا ہے"۔

نتیجہ: آیئے خلافت کے قیام کے لیے حزب التحریر کے ساتھ مل کر کام کریں

اس تمام تر بیان سے ہمارے لیے اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ خلیفہ کا تقرر اور خلافت کا قیام فرض ہے۔ وحی کے ذریعے حکومت کرنے اور خلیفہ مقرر کرنے کا حکم تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اس لیے یہ ایک اجتماعی فرض ہے۔ اور جب تک یہ فرض پورا نہیں ہو جاتا، تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس کی تکمیل کے لیے کام کریں۔

جہاں تک اس کام کو ادا کرنے کے طریقہ کار کا تعلق ہے، یہ ایک ایسے گروہ کے قیام کے ذریعے ہے جو امت کے اندر نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے تاکہ اسلامی حکومت کے قیام کو یقینی بنایا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سورہ آل عمران آیت 104 میں فرمایا: **وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ** "اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو خیر کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے، یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں"۔ ابنِ کثیر کی تفسیر سے: والمقصود من هذه الآية تن تكون فرقة من الأمة متصدية لهذا الشأن "اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ اس امت میں ایک گروہ ہونا چاہیے جو اس کام کو پورا کرے"۔ تو آیئے ہم اللہ کی خاطر، حزب التحریر کے ساتھ مل کر خلافت کے قیام اور اپنے دین کے مکمل نفاذ کے لیے کام کریں۔

فہرست

اسلامی حکومت کیسی ہوتی ہے؟

منعم احمد- پاکستان

اٹھارویں صدی کے وسط تک اسلام ایک شاندار درخت کی مانند تھا جس کی شاخیں مضبوط تھیں اور اس کی ڈالیاں ہری بھری اور شاداب تھیں اور یہ درخت اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ تروتازہ اور پھل دار تھا۔ اسلامی عقیدہ ہی وہ بیج تھا جس سے یہ درخت پیدا ہوا جبکہ زندگی گزارنے سے متعلق اسلامی افکار اور ضابطے اس درخت کی جڑیں ہیں اور اسلام کا قانون یا اقتدار وہ بلند و بالا تنا ہے جو انہی جڑوں سے نکلا تھا۔ اس سے پیدا ہونے والی خوشحالی، ترقی اور مضبوط معاشرہ وہ ٹھوس اور مضبوط شاخیں اور لہلہاتی تروتازہ ڈالیاں تھیں جن سے اسلامی طرزِ زندگی برقرار تھی اور اسلامی دعوت پوری دنیا میں پھیل رہی تھی۔

اٹھارویں صدی کے وسط میں یورپ میں رونما ہونے والے صنعتی انقلاب کے نتیجے میں عالمی منظر نامہ تبدیل ہونا شروع ہو گیا جس کے بعد عالمی رہنما کی حیثیت رکھنے والی اسلامی ریاست اپنا مقام کھو بیٹھی اور اس کا زوال نمایاں ہو گیا۔ مغربی ایجادات نے مسلمانوں کو اتنا مرعوب کیا کہ وہ اپنے اسلامی نظریات پر ہی نظرِ ثانی کرنے لگے۔ کچھ لوگ تو اتنے آگے بڑھ گئے کہ انھیں اسلامی افکار اور قوانین میں خامیاں نظر آنے لگیں جس کے نتیجے میں اسلام کے نفاذ میں کمزوری آنا شروع ہو گئی۔ اسلام کے نفاذ میں کمزوری اور اسلام کے فہم کے دھندلے ہو جانے کی وجہ سے اسلامی ریاست کی شان و شوکت پہلی جیسی نہ رہی اور اس نے اپنی اصل طاقت کھو دی۔ اسلامی نظریات کے فہم کی اسی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جنگِ عظیم اول میں مسلمانوں کی شکست کے پیشِ نظر برطانیہ نے مصطفیٰ کمال کے مدد سے اسلامی ریاست کا خاتمہ کر دیا۔ حقیقت میں اسلام کے وجود اور ریاست کے خاتمے کے بعد صرف اسلام کے افکار اور نظریات ہی باقی بچے تھے، جو اب مبہم ہو چکے تھے۔ مغربی استعمار نے مسلم علاقوں پر غلبہ اور حکمرانی حاصل کر لینے کے بعد ان بچے کھچے افکار اور نظریات کو بھی چھانٹنا اور کاٹنا شروع کر دیا تاکہ اسلام کی بنیاد ہی کو کمزور کر دیا جائے اور اسلامی

عقیدے سے ان کے تعلق کو ختم کر دیا جائے۔ استعمار کی ان کوششوں کے نتیجے میں اسلام کے کئی افکار مسلم دنیا سے ختم ہو گئے، کئی افکار پر دھول پڑ گئی اور کئی نئے افکار کی ملاوٹ ہو گئی جو سرے سے اسلامی عقیدے سے تعلق ہی نہیں رکھتے تھے۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی وہ نسل ختم ہو گئی جن کے اذہان میں اسلامی نظام اور اسلامی ریاستِ خلافت کے نقوش موجود تھے اور یوں اسلامی ریاست محض ایک تخیل بن کر رہ گئی جس کے نام سے تو لوگ واقف تھے، مگر اس کے افکار، ہیئت، قوانین، نظام اور خدوخال لوگوں کے اذہان میں موجود نہیں رہے۔ یوں اسلامی تہذیب کا یہ تناور درخت محض اپنی جڑوں تک محدود ہو کر رہ گیا۔

مسلمانوں اور اسلام کے افکار کی حفاظت کرنے والی ریاستِ خلافت کے انہدام کو مغرب نے اپنی کبھی نہ ختم ہونے والی فتح سمجھ کر مسلمانوں کے علاقوں کے حصے بخرے کیے اور آپس میں بانٹ لیے۔ یوں بالآخر مغربی تہذیب ان مسلم علاقوں پر راج کرنے لگی جو اب یورپ، روس اور امریکہ جیسی عالمی طاقتوں کی رسہ کشی کا اکھاڑا بن چکے تھے۔ مغربی تہذیب کی علمبردار ریاستوں نے اسلامی تہذیب کے باقی ماندہ افکار کو مسلمانوں کے اذہان سے کھرچنے اور اس کی جگہ مغربی تہذیب کے افکار ٹھونسنے کیلئے ان کی تعلیم، میڈیا، ثقافت اور ہر نظام کو اپنے ایجنٹ حکمرانوں کے ذریعے مغربی طرز پر استوار کر دیا۔ اگر کسی علاقے میں مسلمانوں نے اس مغربی ایجنڈے کا انکار کیا تو انھیں مغرب کی فوجی اور اقتصادی طاقت کے بل بوتے پر مغربی سیکولر نظام کے آگے جھکنے پر مجبور کیا گیا۔ آج اکیسویں صدی میں مسلم دنیا مغربی نظام کی تباہ کاریوں اور افسوسناک نتائج سے تنگ آ چکی ہے لیکن اس کے پاس اسلام کی تہذیب کی طرف واپسی کیلئے درکار افکار کا فقدان ہے جو مغربی نظام کو اسلام کے نظام سے تبدیل کر دینے کی راہ میں حائل ایک رکاوٹ ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمانوں کے اذہان میں اسلام کے ان سچے تصورات کو دوبارہ اجاگر کیا جائے جو مغربی تہذیب کے مقابلے میں اسلامی تہذیب کی شروعات کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان تصورات کے ذریعے ہی مسلمان اس قابل ہو سکیں گے کہ وہ اس اسلامی ریاست کو پہچان سکیں جس کا قیام اسلامی طرزِ زندگی کے از سرِ نو آغاز کیلئے لازم ہے۔ جہاں دنیا بھر کی بیشتر اسلامی تحریکات مسلم ممالک میں اسلام کے نظام کی واپسی کیلئے کوشاں ہیں وہاں ان تصورات کو سمجھنے اور واضح کرنے کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے، تاکہ مغرب کہیں تبدیلی کی ان مخلصانہ کوششوں کے

باوجود مسلمانوں کی فکری کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انھیں دھوکہ دے کر ایک حقیقی اسلامی ریاست کے قیام سے دور نہ کر دے۔ ذیل میں اسلامی ریاست کی کئی صفات میں سے ان چند بنیادی صفات کا ذکر ہے جو کسی بھی ریاست کو اسلامی ریاست بنانے کیلئے لازم ہیں۔

نمبر-1: کسی ریاست کو اسلامی ریاست بننے کیلئے ضروری ہے کہ اس کی بنیاد صرف اور صرف اسلامی عقیدہ ہی ہو جو اس کی تمام تر تفصیلات کی بنیاد ہو، یعنی ریاست میں حاکمیتِ اعلیٰ صرف اسلامی شریعت ہی کو حاصل ہو

کسی بھی ریاست کے قیام کا مقصد اس کے لوگوں کے افکار اور عقائد کی حفاظت اور ان کے مطابق لوگوں کے امور کی دیکھ بھال ہوتا ہے۔ لہٰذا ریاست کا انہی افکار اور عقائد پر مبنی ہونا ضروری ہے جو معاشرے کے افکار اور عقائد ہیں۔ جہاں تک مسلم امت کا تعلق ہے، تو مسلمانوں کا عقیدہ اسلام کا عقیدہ ہے اور وہ تصورات، پیمانے اور عقائد جنہیں امت درست سمجھتی ہے، وہ اسی اسلامی عقیدے سے اخذ شدہ ہیں۔ زندگی کے بارے میں امت کا نقطہ نظر بھی اسلامی عقیدے سے اخذ شدہ ہے اور اپنے مفادات کے بارے میں نقطہ نظر بھی اسی اسلامی عقیدے کی بنیاد پر ہے۔ لہٰذا شرعی، فطری اور عقلی طور پر یہی درست ہے کہ مسلمانوں پر حکومت بھی اسلام ہی کی بنیاد پر کی جائے، یعنی مسلمانوں پر قائم حکمرانی کی بنیاد اسلام کا عقیدہ ہی ہو۔

جس ریاست کو رسول اللہ ﷺ نے قائم کیا، جو قیامت تک تمام مسلمانوں کیلئے نمونہ ہے، وہ ریاست بھی ایک مخصوص بنیاد پر قائم تھی جو کہ اسلامی عقیدہ تھا۔ اس لیے مسلمانوں کیلئے یہ فرض ہے کہ ہر زمانے میں اور ہر جگہ اسلامی ریاست کی بنیاد اسلامی عقیدہ ہی ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ میں ریاست قائم کی اور حکومت سنبھالی تو پہلے دن سے ہی اسلامی عقیدے کو اس ریاست اور اقتدار کی بنیاد بنایا۔ پھر اس پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ جہاد شروع کیا اور جہاد کو مسلمانوں پر فرض قرار دیا تاکہ اسلامی عقیدہ کو انسانوں تک پھیلایا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «**أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لاَ إِلَهَ إِلا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَيُقِيمُوا الصَّلاَةَ**

وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلا بِحَقِّ الإِسْلامِ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ» **"مجھے اس وقت تک لوگوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت نہ دیں اور نماز کو قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں، اگر وہ یہ کام کریں تب وہ اپنی جان اور مال کو مجھ سے محفوظ کریں گے، سوائے اُس کے جو اسلام کی جانب سے ان پر حق ہو اور ان کا حساب اللہ کے پاس ہے"** (متفق علیہ)۔ اس کے علاوہ، رسول اللہ ﷺ نے حکمرانی میں اسلام کے عقیدے کی خلاف ورزی پر، یعنی حکمران کی جانب سے کھلم کھلا کفر کے نفاذ پر امت کو تلوار کے ذریعے اس حکمران کے خلاف قتال کرنے کا حکم دیا۔ عبادہ بن الصامت سے مروی متفق علیہ حدیث ہے کہ **«وَأَنْ لا نُنَازِعَ الأَمْرَ أَهْلَهُ إِلا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا»** **"اور اس بات پر ہم نے بیعت کی کہ حکمرانوں سے اس وقت تک نہیں لڑیں گے جب تک کھلم کھلا کفر نہ دیکھیں"**۔ طبرانی نے **«كفراً صُراحاً»** **"واضح کفر"** کے الفاظ روایت کیے ہیں جبکہ ابنِ حبان نے اپنی صحیح میں یو ں روایت کی ہے **«إِلاَّ أَنْ تَكُونَ مَعْصِيَةُ اللَّهِ بَوَاحاً»** **"مگر جب اللہ تعالیٰ کی کھلم کھلا نافرمانی کی جائے"**۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: **﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾** **"سو قسم ہے تیرے رب کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپس کے تمام اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں"** (النساء: 65)۔ یہ تمام دلائل اس بات پر ثبوت ہیں کہ اسلامی عقیدہ ہی ریاست کی اساس اور بنیاد ہے اور کسی بھی معاملے میں حتمی فیصلہ شریعت ہی کی بنیاد پر ہو گا۔ اسلام کے علاوہ کہیں اور سے اخذ شدہ ہر فکر اور قانون، چاہے وہ کسی غیر اسلامی تہذیب سے اخذ شدہ ہو یا انسانی عقل کی اختراع ہو، وہ کفر ہے جس کی اسلامی ریاست میں کوئی جگہ نہیں۔

اس بنیاد پر نہ صرف ریاستی قوانین اور نظام بلکہ کوئی بھی ایسی فکر جو اسلام کے عقیدے سے اخذ شدہ نہ ہو، مثلاً جمہوریت، قومیت یا وطنیت کی بنیاد پر عصبیت، شہنشائیت، بادشاہت یا آمریت، انسانی مساوات، بنیادی آزادیوں اور قومی سرحدوں جیسے تمام تصورات جو نہ صرف اسلامی عقیدے سے نہیں نکلتے بلکہ اسلامی احکامات کے سراسر خلاف بھی ہیں، ان تمام کی اسلامی ریاست میں کوئی جگہ نہیں۔ اسی طرح اسلامی عقیدے کا اسلامی حکومت کی بنیاد ہونے کا مطلب یہ بھی ہے کہ تمام قانون سازی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات تک محدود ہو گی اور اس معاملے میں اسلامی عقیدے کے

علاوہ کسی اور فکر کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا ایک اسلامی حکومت میں تمام ریاستی معاملات بشمول عدلیہ، اقتصادیات، معاشرت، حکومت، داخلہ و خارجہ پالیسی، تعلیم، صنعت، صحت، فوج، بیت المال وغیرہ صرف اور صرف اسلامی عقیدے ہی کی بنیاد پر منظم ہوتے ہیں۔

نمبر-2: کسی ریاست کو اسلامی ریاست بننے کیلئے ضروری ہے کہ وہاں صرف اسلامی احکامات ہی نافذ ہوں اور اس کی حفاظت مکمل طور پر مسلمانوں کی طاقت کے بل بوتے پر ہو۔

کوئی بھی ملک صرف اس وقت ایک مکمل اسلامی ریاست ہو گا جب وہاں کی امان (علاقے کی اندرونی و بیرونی خطرات سے حفاظت) مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو گی اور وہاں اسلام ہی کے احکامات نافذ ہوں گے۔ اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی موجود نہ ہو یا نہ پائی جائے جیسے امان کفار کے ہاتھوں میں ہونا یا لوگوں پر طاغوت کے ذریعے حکومت ہونا تو وہ علاقہ اسلامی ریاست نہیں ہو گا۔ اس کے لیے دونوں شرطوں کا ختم ہونا ضروری نہیں بلکہ کوئی ایک شرط بھی ناپید ہو جائے تو وہ ملک اسلامی ریاست نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے پہلی اسلامی ریاست کے قیام کیلئے جو بیعت لی، اس میں یہ دونوں شرائط موجود تھیں۔ البیہقی نے قوی اسناد کے ساتھ عبادہ بن الصامتؓ کی روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ **«... إِنَّا بَايَعْنَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي النَّشَاطِ وَالْكَسَلِ، وَالنَّفَقَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ، وَعَلَى الأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَعَلَى أَنْ نَقُولَ فِي اللَّهِ لاَ تَأْخُذُنَا فِيهِ لَوْمَةُ لاَئِمٍ. وَعَلَى أَنْ نَنْصُرَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ إِذَا قَدِمَ عَلَيْنَا يَثْرِبَ مِمَّا نَمْنَعُ أَنْفُسَنَا وَأَزْوَاجنا وَأَبْنَاءَنَا وَلَنَا الجَنَّةَ. فَهَذِهِ بَيْعَةُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الَّتِي بَايَعْنَاهُ عَلَيْهَ»** **"میں نے طاقت اور کمزوری میں سننے اور (آپ ﷺ کی) اطاعت کرنے، تنگدستی اور کشادگی میں خرچہ کرنے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے کی شرط پر رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی اور اس بات پر کہ ہم اللہ کے معاملے میں کسی ملامت**

کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے اور رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائیں تو ان کی مدد نصرت کریں گے ہم آپ ﷺ کی ایسی حفاظت کریں گے جیسے کہ اپنی جان اور اپنے بیوی بچوں کی کرتے ہیں اور اس کے بدلے ہمیں جنت ملے گی۔ یہ تھی رسول اللہ ﷺ کی وہ بیعت جو ہم نے آپ ﷺ سے کی تھی"۔ یہ اور اس جیسے دیگر کئی روایات سے واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیعتِ عقبہ ثانیہ میں مدینہ کے سرداروں سے اطاعت اور حفاظت، دونوں شرائط پر بیعت لی۔

اسی طرح جن قبائل نے رسول اللہ ﷺ کو اسلامی ریاست کے قیام کیلئے انکار کیا، انھوں نے انہی دو میں سے کسی ایک یا دونوں شرائط کا انکار کیا۔ البیھقی نے حسن اسناد کے ساتھ علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے بنو شیبان بن ثعلبہ سے فرمایا: **«مَا أَسَأْتُمْ فِي الرَّدِّ إِذْ أَفْصَحْتُمْ بِالصِّدْقِ، وَإِنَّ دِينَ اللَّهِ لَنْ يَنْصُرَهُ إِلاَّ مَنْ حَاطَهُ مِنْ جَمِيعِ جَوَانِبِهِ»** **"تم لوگوں نے کوئی برا جواب نہیں دیا جبکہ تم نے سچائی سے صاف بات کھل کر کہی، مگر اللہ کے دین کو صرف وہی نصرت دے سکتے ہیں جو ہر طرف سے اس کی حفاظت کر سکتے ہیں"**۔ ان لوگوں نے یہ پیشکش کی تھی کہ جہاں تک عرب کے پانی ہیں وہاں تک ہم آپ کی مدد و حفاظت کریں گے، فارس کے مقابلے میں نہیں۔

لہٰذا کسی بھی حکومت کے اسلامی ہونے کیلئے یہ لازم ہے کہ وہ ان دونوں شرائط کو پورا کرے جو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کو پہلی اسلامی ریاست بنانے کیلئے رکھی تھیں، یعنی تمام قوانین و احکامات اسلام ہی کے نافذ ہوں اور اس ملک کی اندرونی و بیرونی خطرات اور دشمنوں سے حفاظت اور امان مکمل طور پر اسلام اور مسلمانوں کی طاقت کے بل بوتے پر ہو۔ ان میں سے کسی بھی شرط کے پورا نہ ہونے سے ایک حکومت اسلامی حکومت نہیں رہتی۔

نمبر-3: کسی ریاست کو اسلامی ریاست بننے کیلئے ضروری ہے کہ اس میں قائم شدہ حکمرانی کا نظام مرکزیت اور وحدت پر مبنی ہو، اور وہ ریاست پوری مسلم امت کی ذمہ داری اٹھائے اور اس کی قیادت کرے

اسلامی ریاست میں حکمرانی اجتماعی نہیں بلکہ انفرادی ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک اسلامی حکومت میں حکمرانی انسانوں کی اجتماعی دانائی کی بنیاد پر نہیں بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی لامحدود دانائی پر مبنی وحی کی بنیاد پر منظم ہوتی ہے جسے نافذ کرنے کا اختیار صرف ریاست کے سربراہ یعنی خلیفہ کو ہوتا ہے۔ ایک اسلامی حکومت میں قانونی آراء کو ان کی فکر کی مضبوطی کی بنیاد پر ترجیح دی جاتی ہے جبکہ اجتماعی حکمرانی پر مبنی حکومت میں قانونی آراء کو عوامی قبولیت اور مفادات کی بنیاد پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اسلام اجتماعی حکمرانی کی نفی کرتا ہے اور اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ایک ریاست کے ایک سے زیادہ حکمران ہوں۔ خلیفہ ہی وہ شخص ہوتا ہے جسے ریاست کے مسلمان شہری بیعت کے ذریعے اسلام کو نافذ کرنے اور پھیلانے کی اتھارٹی سونپتے ہیں، لہٰذا حکمرانی کی ذمہ داری کا عقد صرف اسی شخص کے ساتھ ہی انجام پاتا ہے جو خلیفہ اور ریاست کا سربراہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اسلامی ریاست وہ ہوتی ہے جس میں حکمرانی مرکزیت پر استوار ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں، خلیفہ کے منصب پر فائز ہو جانے کے بعد تمام مسلمانوں کیلئے خلیفہ کی اطاعت کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **« وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً »"اور جو کوئی بھی اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں (خلیفہ کی) بیعت نہیں تو وہ جاہلیت کی موت مرا"** (مسلم)۔ اس اطاعت کے لازم ہونے کے سبب، مسلم دنیا کے تمام علاقے خلافت کا حصہ تصور کیے جاتے ہیں جن کیلئے خلیفہ کی اطاعت کرنا اور نتیجاً اپنی اتھارٹی خلیفہ کو سونپ دینا واجب ہو جاتا ہے۔ ایسا نہ کرنے کی صورت میں وہ مسلمان باغی تصور ہوں گے جن کو اسلام کی اتھارٹی اور خلیفہ کی اطاعت میں لانا خلیفہ کیلئے واجب ہے۔ لہٰذا اسلامی ریاست وہ ہوتی ہے جس میں حکمرانی مسلم دنیا کی وحدت پر استوار ہوتی ہے۔

ابو سعید حذری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **«إِذَا بُويِعَ لِخَلِيفَتَيْنِ فَاقْتُلُوا الآخَرَ مِنْهُمَا» "جب دو خلفاء کی بیعت کی جائے تو دوسرے کو قتل کرو"** (مسلم)۔ یہ حدیث اس حکم کی صریح دلیل ہے کہ مسلمانوں کے لیے ایک سے زیادہ خلیفہ کا ہونا حرام ہے۔ احمد نے عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«لايحل لثلاثة نفريكونون بأرض فلاة إلا أمّروا عليهم أحدهم» "کسی تین اشخاص کیلئے جائز نہیں کہ وہ کھلی زمین پر ہوں اور وہ اپنے میں سے کسی ایک کو اپنے اوپر امیر مقرر نہ کریں"**۔ ابو داؤد نے

ابی سعیدؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«إذا خرج ثلاثةفی سفر فليؤ مروا أحدهم»** **"جب تین لوگ سفر پر نکلیں تو وہ اپنے میں سے ایک شخص کو امیر مقرر کریں"**۔ان دونوں احادیث میں لفظ 'احد' واحد کے مترادف ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ امیر ایک ہی شخص ہو سکتا ہے اور ایک سے زیادہ نہیں۔عدد اور صفت کے معاملے میں مفهوم المخالفه پر عمل کیا جاتا ہے جو اس معاملے میں امیر کے ایک سے زائد ہونے کی نفی کرتا ہے۔رسول اللہ ﷺ کا عمل اس بات کی تائید کرتا ہے کہ جب بھی کسی معاملے میں امیر مقرر کرنے کی ضرورت پیش آئی تو آپ ﷺ نے صرف ایک ہی شخص کو امیر مقرر فرمایا اور کبھی بھی ایک معاملے پر ایک سے زیادہ امیر مقرر نہیں کیے۔

لہٰذا اسلامی حکومت میں حکمرانی کا اصل اختیار اسی شخص کے پاس ہوتا ہے جسے امت خلیفہ کے طور پر مقرر کرتی ہے۔دیگر تمام حکمران جو حکمرانی کے ڈھانچے میں خلیفہ کے معاون یا نائب ہوتے ہیں،ان کا تقرر خلیفہ ہی کرتا ہے اور وہ اپنے حکمرانی کے اختیارات خلیفہ سے ہی بطور نائب لیتے ہیں۔لہٰذا اسلامی ریاست میں خلیفہ کے ماتحت تمام حکمران بشمول معاونین،والی اور عامل اپنی حکمرانی کیلئے اصل اختیار نہیں رکھتے بلکہ ان کا اختیار خلیفہ ہی کا تفویض کیا ہوا ہوتا ہے جسے خلیفہ جب چاہے واپس لے کر انہیں معزول کر سکتا ہے۔اگرچہ اسلام اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ خلیفہ لوگوں کے معاملات میں ان سے مشورہ لے لیکن فیصلے اور حکمرانی کا اختیار بحر حال واحد خلیفہ ہی کے پاس ہوتا ہے اور کوئی دوسرا شخص اس کے ساتھ اس حکمرانی میں شریک نہیں ہوتا۔اس بنیاد پر ہم پلہ اختیارات رکھنے والے ایک سے زائد حکمرانوں پر مشتمل حکومت اسلامی حکومت نہیں ہوتی۔

نمبر-4: کسی ریاست کو اسلامی ریاست بننے کیلئے ضروری ہے کہ حکمران کے انتخاب اور تقرری کا حق امت کے پاس ہو جو بیعت کے ذریعے خلیفہ کو ریاست کے سربراہ کے طور پر مقرر کر سکے۔

اسلامی حکومت میں حکمران کے انتخاب یا تقرری کا حق امت کے پاس ہوتا ہے جو اسلام کے نظام کے نفاذ اور اسلامی دعوت کو پوری دنیا تک لے کر جانے پر منتخب حکمران کی بیعت کر کے اسے خلیفہ کے منصب پر فائز کرتی ہے۔ خلیفہ کی تقرری کا یہ حق اسلام نے امت کو ہی دیا ہے جو اپنی رضامندی سے حکمران کو بیعت کے ذریعے مقرر کرتی ہے۔ لہٰذا کوئی بھی حکومت تب ہی اسلامی حکومت ہو سکتی ہے جب وہاں حکمران کی تقرری کا حق امت کے پاس ہو اور امت بیعت کے ذریعے اس حکمران کی تقرری کرے۔

رسول اللہ ﷺ اس وقت مدینہ کے حکمران بنے جب محرم کے مہینے میں عقبہ کی گھاٹی میں بیعتِ عقبہ ثانیہ کا واقعہ پیش آیا، جس میں اوس اور خزرج کے قبائل سے آئے ہوئے مسلمانوں نے اپنی رضامندی سے رسول اللہ ﷺ کو اطاعت اور حفاظت پر حکمرانی کی بیعت دی۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے وصال کے فوراً بعد مہاجرین اور انصار کے سربراہان اور نمائندگان سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور ایک بحث و مباحثے کے بعد اپنی رضامندی سے ابو بکر صدیقؓ کو خلافت پر بیعت دی۔ پھر ابو بکرؓ نے اپنی وفات سے پہلے علالت کے دنوں میں مدینہ کے مسلمانوں کی خواہش پر اپنے بعد عمرؓ کو خلافت کیلئے تجویز کیا اور ابو بکرؓ کی وفات کے بعد لوگوں نے ہی عمرؓ کو بیعت دے کر خلافت کا منصب سونپا۔ عمرؓ کی وفات کے بعد خلافت کے چھ امیدواران کے درمیان انتخاب کے ایک جامع عمل سے گزر کر مدینہ کے لوگوں نے عثمانؓ کو منتخب کیا اور ان کو خلافت پر بیعت دی۔ اسی طرح عثمانؓ کی وفات کے کچھ دن بعد لوگ علیؓ کے پاس آئے اور ان کو حکمرانی کا منصب سنبھالنے پر رضامند کیا جس کے بعد بیعت کے ذریعے انھیں خلافت کے منصب پر فائز کیا گیا۔ اس کے بعد آنے والے ادوار میں بھی خلفاء کی تقرری کیلئے بیعت ہی کا اسلامی طریقہ رائج رہا، اگرچہ ایک خلیفہ کی وفات کے بعد اگلے خلیفہ کے چناؤ میں امت نے دلچسپی لینا چھوڑ دی جس کی وجہ سے خلیفہ کا انتخاب ایک طے شدہ طریقے سے چلتا رہا جو کہ ایک کمزوری تھی لیکن یہ حق بحر حال امت ہی کے پاس تھا۔ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے دور میں بغیر کسی استثناء کے، تسلسل کے ساتھ، امت کا ہی ایک حکمران کو اپنی رضامندی سے، بالواسطہ یا بلاواسطہ منتخب کرنا اور بیعت ہی کو حکمران کی تقرری کی بنیاد بنانا اس بات کی حتمی دلیل ہے کہ اسلامی حکومت میں حکمران یا خلیفہ کو منتخب کرنے کا اختیار امت ہی کے پاس ہوتا ہے جو اپنی رضامندی سے بیعت کے ذریعے اس کی تقرری

کرتی ہے۔ پس بیعت ہی کے ذریعے امت ایک شخص کو اپنے اوپر حکمرانی کرنے کا اختیار سونپتی ہے اور بیعت ہی امت سے حکمران کی جانب اقتدار (اتھارٹی) کی منتقلی کا شرعی طریقہ کار ہے۔ لہٰذا وہ حکومت اسلامی نہیں ہو سکتی جہاں حکمران کے انتخاب کا حق امت سے چھین کر کسی مخصوص طبقے یا گروہ کو دے دیا جائے یا حکمران کی تقرری شرعی بیعت کے ذریعے نہ ہو۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا **«كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الأَنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لا نَبِيَّ بَعْدِي، وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ، قَالُوا: فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: فُوا بِبَيْعَةِ الأَوَّلِ فَالأَوَّلِ، أَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ»** ”بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرتے تھے۔ جب کوئی نبی وفات پاتا تو دوسرا نبی اس کی جگہ لے لیتا، جبکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، بلکہ بڑی کثرت سے خلفاء ہوں گے۔ صحابہؓ نے پوچھا: آپ ﷺ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’تم ایک کے بعد ایک کی بیعت کو پورا کرو اور انہیں ان کا حق ادا کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کی رعایا کے بارے میں پوچھے گا، جو اُس نے انہیں دی“ (مسلم)۔ نافع کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمرؓ نے مجھ سے کہا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: **«مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ لَقِيَ اللَّهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لا حُجَّةَ لَهُ، وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً»** ”جس نے اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا، وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہیں ہو گی، اور جو اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں خلیفہ کی بیعت کا طوق نہیں تو وہ جاہلیت کی موت مرا“ (مسلم)۔ یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ خلیفہ کو اختیار و اقتدار اس بیعت کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے جو اسے دی جاتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی اطاعت کو بیعت کے بعد ہی فرض قرار دیا ہے، پس فرمایا کہ جو امام کی بیعت کرے تو اسے چاہیئے کہ اس کی اطاعت بھی کرے۔ پس ایک شخص بیعت لینے کی وجہ سے ہی خلیفہ بنا اور اس کی اطاعت فرض ہو گئی کیونکہ وہ ایسا خلیفہ بن گیا جس کو امت نے بیعت دی، یوں بیعت کے ذریعے اس نے امت سے اقتدار (اتھارٹی) اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

نمبر-5: کسی ریاست کو اسلامی ریاست بننے کیلئے ضروری ہے کہ اختلافی آرا میں سے کسی رائے کو قانون کے طور پر تبنی کرنے کا اختیار صرف خلیفہ ہی کے پاس ہو

جمہوریت کی طرح اسلام نے بھی اختلافِ رائے کو رفع کرنے اور قانون بنانے کیلئے مختلف آراء میں ایک رائے کو اختیار کرنے کا طریقہ کار رضع کیا ہے جو جمہوری طریقہ کار سے یکسر مختلف ہے۔ایک اسلامی حکومت میں ریاست کے سربراہ یعنی خلیفہ کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ متعدد اسلامی آراء میں سے مضبوط ترین رائے کو قانون کی حیثیت سے اختیار کر سکتا ہے۔ شرعی احکامات کے معاملے میں مضبوط ترین رائے کا انتخاب شرعی دلیل کی مضبوطی کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ خلیفہ کے کسی رائے کی تبنی کرنے سے وہ رائے قانون کا درجہ حاصل کر لیتی ہے جس کی اطاعت ظاہری طور پر اور باطنی طور پر لازم ہو جاتی ہے۔اس کی دلیل اجماع صحابہؓ ہے۔اس بات پر اجماع صحابہؓ منعقد ہوا تھا کہ خلیفہ معین شرعی احکامات کی تبنی کر سکتا ہے، پھر اس بات پر بھی صحابہؓ کا اجماع ہوا تھا کہ خلیفہ جن احکامات کی تبنی کرے ان پر عمل کرنا فرض ہے۔ مثال کے طور پر، ابو بکرؓ نے ایک نشست میں تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا اور مال غنیمت کو مسلمانوں کے درمیان برابر تقسیم کرنے کو تبنی کیا اور اس معاملے میں نئے اور پرانے مسلمان کے درمیان فرق نہیں کیا وغیرہ۔ تمام مسلمانوں نے ان مسائل میں آپ کی پیروی کی حتیٰ کہ قاضیوں اور گورنروں نے بھی آپ کی تبنی کے مطابق فیصلے کیے۔ جب عمرؓ خلیفہ بنے تو انہوں نے ان مسائل میں ابو بکرؓ کی رائے کے برخلاف تبنی کی اور تین طلاقوں کو تین ہی قرار دیا اور مال کی تقسیم میں اسلام میں سبقت اور ضرورت مندی کو مقدم رکھا اور برابری کی بنیاد پر تقسیم نہیں کی۔ مسلمانوں نے ان کی پیروی کی اور قاضیوں اور گورنروں نے ان کی رائے کے مطابق فیصلے کیے۔اسی طرح عمر بن الخطابؓ نے یہ تبنی کی کہ مال غنیمت کے طور پر حاصل ہونے والی زمین لڑنے والوں کے درمیان تقسیم نہیں ہو گی بلکہ اسے بیت المال کا حق قرار دیا جائے گا اور یہ حکم دیا کہ زمین ان لوگوں کے پاس ہی رہے گی جن کی ہے، مسلمانوں اور لڑنے والوں میں تقسیم نہیں کی جائیگی اور قاضیوں اور گورنروں نے اس تبنی کے مطابق فیصلے کیے اور تمام مسلمانوں نے بھی ان کی تابعداری کی۔ یوں تمام خلفائے راشدین نے تبنی کی اور لوگوں کو اپنے تبنی کردہ احکامات پر عمل کرنے کا پابند بنایا اور ان کو اپنے اجتہاد چھوڑ کر خلیفہ کی رائے پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ پس دو باتوں پر اجماع ٹھہرا۔ایک تبنی پر اور

دوسرا اس بات پر کہ خلیفہ کی جانب سے تبنی کردہ حکم پر عمل کرنا فرض ہے۔اس اجماع سے یہ مشہور شرعی قاعدے اخذ کئے گئے (للسلطان أن يحدث من الأقضية بقدر ما يحدث من مشكلات) ''خلیفہ ہر نئے آنے والے مسئلے کے حل کے لئے حکم دینے کا اختیار رکھتا ہے''۔ (أمر الإمام يرفع الخلاف)''خلیفہ کا حکم اختلاف کو ختم کرتا ہے''(أمر الإمام نافذ)''خلیفہ کا حکم نافذ ہوتا ہے''۔

لہٰذا صحابہ اکرامؓ کے درمیان اسلام کی سمجھ میں فرق کی وجہ سے شرعی احکامات میں اختلافات کے باوجود اس بات پر ان کا اتفاق ٹھہرا کہ لوگوں کے درمیان ان معاملات سے متعلق اختلافات کو ختم کرنے کیلئے شرعی احکامات کو خلیفہ کی تبنی کے ذریعے ہی قانون کا درجہ دیا جاسکتا ہے جس پر عمل درآمد لازم ہو جاتا ہے۔اگرچہ اسلام اس بات کی تاکید کرتا ہے کہ خلیفہ لوگوں کے معاملات میں ان سے مشورہ لے لیکن اختلافی معاملات میں کسی اسلامی رائے کو قانون کا درجہ دینے کیلئے خلیفہ کی تبنی کا یہ عمل تمام خلفائے راشدینؓ اور ان کے بعد آنے والے خلفاء کے دور میں تسلسل سے نظر آتا ہے جو اس اصول کی واضح دلیل ہے کہ ایک اسلامی حکومت میں شرعی احکامات سے قوانین بنانے کا شرعی طریقہ کار صرف اور صرف خلیفہ کی تبنی ہے۔ قانون اختیار کرنے کا کوئی بھی دوسرا طریقہ کار غیر اسلامی حکومت کی نشانی ہے۔

نمبر-6: کسی ریاست کو اسلامی ریاست بننے کیلئے ضروری ہے کہ اس ریاست کا مکمل آئین، تمام قوانین اور دیگر پالیسیاں صرف اور صرف وحی پر مبنی نصوص سے اخذ شدہ ہوں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ وحی ہی وہ راہنمائی اور ہدایت ہے جس پر عمل کرنا تمام دنیا کے انسانوں کیلئے روزِ قیامت نجات کا ذریعہ ہے۔اسلامی عقیدہ اس امر کا مطالبہ کرتا ہے کہ ایک مسلمان کیلئے زندگی کے تمام معاملات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ وحی ہی بنیاد ہو اور تمام تر راہنمائی اسی سے حاصل کی جائے، یہی دین کا ماخذ ہے اور اسی سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اوامر و نواہی کا علم حاصل ہوتا ہے۔لہٰذا اسلامی عقیدے پر مبنی ریاست

کیلئے یہ لازم ہے کہ اس کے آئین و قوانین اور تمام پالیسیاں خالص طور پر صرف وحی پر ہی مبنی ہوں اور حکمرانی کیلئے کسی دوسرے ماخذ کی طرف رجوع نہ کیا جائے جو وحی پر مبنی نہ ہو۔ وحی سے مراد قرآن اور سنتِ رسول اللہ ﷺ ہے۔ لہٰذا حکمرانی اور نظام کیلئے قوانین کی بنیاد صرف قرآن وسنت ہیں، اور وہ ماخذ جو قرآن وسنت ہی پر مبنی ہوں۔

اللہ سبحانہ وتعالی نے فرمایا: ﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَٰفِرُونَ﴾ **"اور جو اللہ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق حکومت نہیں کرتے، وہی لوگ کافر ہیں"** (المائدۃ:44)۔ اور فرمایا: ﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ﴾ **"اور جو اللہ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق حکومت نہیں کرتے، وہی لوگ ظالم ہیں"** (المائدۃ:45)۔ اور فرمایا: ﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ﴾ **"اور جو اللہ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق حکومت نہیں کرتے، وہی لوگ فاسق ہیں"** (المائدۃ:47)۔ اور فرمایا: ﴿وَأَنِ ٱحْكُم بَيْنَهُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ﴾ **"اور ان کے درمیان اللہ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق حکومت کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں"** (المائدۃ:49)۔ یہ اور ان جیسی کئی اور آیات اس بات پر قطعی دلیل ہیں کہ مسلمانوں کیلئے یہ فرض ہے کہ وہ اس ہی کے ذریعے حکومت کریں جو اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کیا ہے، یعنی وہ وحی جو قرآن وسنت کی شکل میں موجود ہے اور ہم تک پہنچی ہے۔

لہٰذا کوئی بھی حکومت صرف تب ہی اسلامی حکومت ہو سکتی ہے جب اس میں حکمرانی صرف وحی ہی سے ثابت شدہ ادلہ شریعہ (اعمال کیلئے درکار دلیل کے شرعی ماخذ) کی بنیاد پر ہو۔ اللہ سبحانہ وتعالی نے قیامت تک کیلئے دنیا بھر کے انسانوں کو درپیش آنے والے تمام مسائل کے بارے میں رہنمائی اس وحی میں بیان فرما کر اسلام کو مکمل کر دیا ہے، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے فرمایا: ﴿ٱلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلْإِسْلَٰمَ دِينًا﴾ **"آج ہم نے تمھارے لیے تمھارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور اسلام ہی کو تمھارے لیے دین کے طور پر پسند کیا"** (المائدہ:3)۔ لہٰذا اسلام میں ہر زمان و مکان کیلئے وہ تمام تفصیلات اور احکامات موجود ہیں جو کسی بھی ریاست میں اللہ سبحانہ وتعالی کے وحی کی بنیاد پر حکمرانی کرنے کے حکم کو پورا کرنے کیلئے

درکار ہیں۔ لہٰذا وہ تمام افکار، قوانین اور پالیسیاں اپنانا ایک اسلامی حکومت کیلئے بالکل جائز نہیں جو وحی سے اخذ شدہ نہ ہوں بلکہ انہیں کسی دوسرے ماخذ سے اخذ کیا جائے، چاہے وہ اسلام کے مخالف ہوں یا اسلام کے موافق۔ لہٰذا آئین و قوانین اور حکومت کرنے کیلئے ادلہ شریعہ میں سے قوانین لینے میں، اور کسی دوسری جگہ سے قوانین لے کر انھیں اسلام سے جواز فراہم کرنے میں فرق ہے۔ پہلی صورت میں قوانین اسلامی ہوں گے جبکہ دوسری صورت میں قوانین غیر اسلامی ہوں گے، اگرچہ انھیں طاغوت سے لینے کے بعد اسلام سے جواز فراہم کر دیا جائے۔ ایک متفق علیہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «**مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ**» **"جو کوئی ہمارے اس معاملے (دین کے معاملے) میں ایسی نئی بات لائے جو ہم (اس دین) سے نہیں تو وہ (کام) مردود ہے"** یہ الفاظ بخاری کے ہیں جبکہ مسلم نے «**ما ليس منه**» **"وہ ہم میں سے نہیں"** کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور ابن حزم نے المُحلی میں جبکہ ابن عبد البر نے التمہید میں یوں روایت کیا ہے کہ «**كُلُّ عَمَلٍ لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ**» **"ہر وہ کام جو ہمارے حکم کے مطابق نہیں وہ مردود ہے"**۔ یہ احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ ہر وہ حکم جو وحی کے علاوہ کہیں اور سے لیا جائے، وہ حکم رد ہے اور قابل قبول نہیں۔ یہ امر اس بات سے قطع نظر ہے کہ آیا وہ حکم جو اسلام کے علاوہ کہیں سے لیا گیا، وہ اسلام سے موافق ہے یا مخالف۔ لہٰذا وہی ریاست ایک اسلامی ریاست ہو گی جس کا تمام تر آئین و قوانین اور مکمل نظام صرف اور صرف اسلام سے اخذ شدہ ہو۔

نمبر-7: کسی ریاست کو اسلامی ریاست بننے کیلئے ضروری ہے کہ وہ دیگر ممالک کے ساتھ صرف اسلام کی بنیاد پر تعلقات استوار کرے اور دینِ اسلام کو پوری دنیا پر غالب کرنے کیلئے دعوت کی علمبردار بنے۔

مسلمانوں کی طرف سے خلیفہ کی تقرری کیلئے دی جانے والی بیعت دو موضوعات پر مشتمل ہوتی ہے۔ اول یہ کہ خلیفہ اس امت کی طرف سے دی جانے والی اتھارٹی کے ذریعے شریعت کے احکامات کو نافذ کرے گا یعنی اسلام کے ذریعے حکومت کرے گا، اور دوئم یہ کہ خلیفہ اسلام کو پوری دنیا تک لیجانے کیلئے پوری دنیا کے سامنے اسلام کی دعوت

رکھے گا اور اس دعوت کے راستے میں حائل مادی رکاوٹوں کو ہٹانے کیلئے بقدرِ ضرورت افواج کے ذریعے جہاد بھی کرے گا۔ لہٰذا اسلام میں حکمران دونوں امور پر ذمہ دار ہوتا ہے یعنی اندرونی طور پر اسلام کا نفاذ اور بیرونی طور پر دعوت و جہاد کرنا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لاَ إِلَهَ إِلا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَيُقِيمُوا الصَّلاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلا بِحَقِّ الإِسْلامِ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ»** **"مجھے اس وقت تک لوگوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت نہ دیں اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، اگر وہ یہ کام کریں تب وہ اپنی جان اور مال کو مجھ سے محفوظ کریں گے، سوائے اُس کے جو اسلام کی جانب سے ان پر حق ہو اور ان کا حساب اللہ کے پاس ہے"** (متفق علیہ)۔

اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ مدینہ میں مسلمانوں کی فوجی طاقت کا قریش سے کمزور ہونا مسلمانوں کو معلوم تھا لیکن اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے قریشِ مکہ سے تعلقات اسلام ہی کی بنیاد پر رکھے، ان پر غلبہ حاصل کرنے کی پالیسی کو جاری رکھا اور بالآخر مکہ میں فتح حاصل کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دور کی جتنی بھی عالمی طاقتوں کے بادشاہوں کو خطوط بھیجے، وہ سب باہمی مفادات کی بنیاد پر تعلقات استوار کرنے کیلئے نہیں بلکہ صرف اسلام کو قبول کرنے اور اسلام کی حاکمیت تسلیم کرنے کی طرف دعوت دینے پر مبنی تھے۔ اسامہؓ کے لشکر کی تیاری جسے آپ ﷺ نے اپنے وصال سے پہلے سخت بیماری کی حالت میں بھی روانہ کرنے پر اصرار کیا، وہ سلطنتِ روم کو اسلام کی اتھارٹی کے نیچے لانے کیلئے تھا۔ اس کے علاوہ تمام خلفائے راشدین کے دورِ خلافت میں اسلامی ریاست مسلسل پھیلتی رہی اور مسلمان دیگر دنیا میں موجود نظاموں کو چیلنج کرتے ہوئے دعوت و جہاد کرتے رہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جس مقصد کے ساتھ دینِ اسلام کو اس دنیا کیلئے بھیجا وہ مقصد یہی تھا کہ پوری دنیا پر اسلام ہی کی اتھارٹی قائم کی جائے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، **﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾، "وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو باقی تمام ادیان پر غالب کر دے"** (الفتح: 28)۔ یقیناً آج دنیا میں اسلام کے علاوہ دیگر ادیان کا موجود ہونا اس

بات کا ثبوت ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی کی جانب سے مسلمانوں کو دیا گیا یہ مقصد ابھی پورا ہونا باقی ہے، جو رسول اللہ ﷺ کے بعد اب ان کی امت کی ذمہ داری ہے، جس کو پورا کرنے کیلئے امت خلیفہ کو بیعت دیتی ہے۔

لہٰذا اسلام میں ایسی کسی ریاست کا تصور موجود نہیں جو اسلام کو پوری دنیا تک پھیلانے اور تمام ادیان پر غالب کرنے کے اس مقصد کو پورا کرنے کی کوشش نہ کرے یا اس کیلئے تیاری نہ کرے۔ اسی طرح اسلام کسی ایسی ریاست کا تصور پیش نہیں کرتا جو اندرونی طور پر تو اسلام کے احکامات کے نفاذ کا دعویٰ کرے لیکن دنیا کی عالمی طاقتوں کے سامنے اپنے مقام اور حیثیت کو تسلیم کروانے کیلئے عالمی ورلڈ آرڈر کو تسلیم کرلے۔ اسلام میں ایسی کسی ریاست کا تصور موجود نہیں جو مغربی عالمی قوانین کی پاسداری کرے، اقوامِ متحدہ یا سلامتی کونسل یا آئی ایم ایف یا عالمی عدالتِ انصاف جیسے مغربی اداروں کو تسلیم کرے یا ان میں شمولیت اختیار کرے، قومی ریاستوں کے تصور کی بنیاد پر ریاست کی مستقل سرحدوں کو تسلیم کرے اور اپنی سرحدوں کے پار مقبوضہ مسلم علاقوں کو کفار کے تسلط سے آزاد کروانے کو اپنا اولین مسئلہ نہ سمجھے، ایسی کسی ریاست کے وجود کیلئے اسلام میں کوئی شرعی دلیل موجود نہیں۔

اختتامیہ:

مندرجہ بالا بیان کردہ اصولوں کی بنیاد پر یہ واضح ہو گیا کہ وہ حکومت ایک اسلامی حکومت نہیں ہو سکتی جو حکمرانی میں اسلام کے چند بنیادی اصولوں کو تو اپنا لے لیکن نظامِ حکومت، نظامِ اقتصادیات، معاشرت، عدلیہ، داخلہ و خارجہ امور، فوج، تعلیم، صنعت وغیرہ کی تمام تفصیلات وضع کرنے کیلئے مغرب یا دیگر نظاموں کی طرف رجوع کرے۔ اسی طرح اگر کوئی حکومت دعوت و جہاد کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کے پوری دنیا تک اسلام پھیلانے کے مشن کو ترک کر کے قومی سرحدوں کی پہرہ دار بن جائے، اپنی عالمی پوزیشن مستحکم کرنے کیلئے اسلام پر سمجھوتہ کر کے اقوامِ متحدہ اور عالمی اداروں کے طاغوتی نظام کو اپنا لے، اسلام کے سونے اور چاندی پر مشتمل کرنسی کے حکم کو نظر انداز کر کے fiat کرنسی کو اقتصادیات کی بنیاد بنائے، اسلام کے نظریاتی پہلوؤں پر سمجھوتا کرتے ہوئے کفر کے سردار امریکہ یا اس کے

حواریوں کے ساتھ 'کچھ لو کچھ دو' کی بنیاد پر تعلقات قائم کرے، قومی مفادات کو اسلامی شریعت سے بالاتر سمجھے، اسلامی افکار کو بنیاد بنانے کی بجائے مغرب کے پیش کردہ افکار جیسے انسانی حقوق، حقوقِ نسواں، بنیادی حقوق، عالمی قانون وغیرہ کی پاسداری پر رضامند ہو، ایسی کوئی بھی حکومت اسلامی حکومت نہیں ہو سکتی۔ یقیناً موجودہ دور میں، جب مغرب مسلم دنیا پر اپنی زبردست ثقافتی اور فکری یلغار کے ذریعے مسلم اذہان سے اسلامی تصورات کو کھرچنا چاہتا ہے، وہاں مسلمانوں کیلئے یہ لازم ہے کہ وہ اسلامی تہذیب کی بنیاد رکھنے والے ان افکار کا مکمل فہم حاصل کریں تاکہ اسلام دشمن عالمی طاقتیں اور مسلم دنیا میں موجود ان کے ایجنٹ حکمران امت کو اسلامی حکومت کے نام پر کوئی دھوکہ نہ دے سکیں۔ یقیناً یہ ان اسلامی تصورات کا درست فہم ہی ہوگا جو تمام دنیا کے مسلمانوں کو، ان شاءاللہ، جلد ہی قائم ہونے والی ریاستِ خلافت کی پہچان کروائے گا۔ اس دن مومنین خوشیاں منائیں گے اور پھر پوری دنیا اسلام کے نظام کے حقیقی نفاذ اور اس کے ثمرات کا مشاہدہ کرلے گی۔

فہرست

ازدواجی ہم آہنگی

یوسف احمد بدرانی کی کتاب "العائلة قلعة" (خاندان ایک قلعہ ہے) سے ماخوذ

ابنِ عمرؓ سے روایت فرمان نبوی ﷺ ہے: **ألا كلّكم راعٍ وكلّكم مسؤول عن رعيّته فالأمير الذي على الناس راعٍ وهو مسؤول عن رعيّته والرجل راعٍ على أهل بيته وهو مسؤول عنهم والمرأة راعية على بيت بعلها وولده وهي مسؤولة عنهم والعبد راعٍ على مال سيّده وهو مسؤول عنه ألا فكلّكم راعٍ وكلّكم مسؤول عن رعيّته،** **"جان لو! تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں جواب دہ ہے، پس لوگوں پر جو سردار ہے وہ اپنی رعیت کا نگران ہے اور ان کے بارے میں جواب دہ ہے۔ مرد اپنے اہل خانہ کا نگران ہے اور ان کے بارے میں جواب دہ ہے، عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگہبان ہے اور ان کی نسبت اس سے سوال کیا جائے گا، غلام اپنے آقا کے مال کا نگہبان ہے، اور وہ اس بارے میں جواب دہ ہے، پس تم میں سے ہر ایک نگہبان بھی ہے اور ہر ایک اپنی رعایا کے بارے میں جواب دہ بھی ہے"** (متفق علیہ)۔

اس حدیث میں مرد و عورت سمیت ہر فرد پر اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے اور زندگی میں اس کے لیے مناسب ترین لائحہ عمل اختیار کرنے کی براہ راست ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔ چنانچہ ہر شخص اپنی زندگی میں اپنے ہر قول و عمل کیلئے جواب دہ ہوگا کہ اس نے اپنے اعمال کس طرح انجام دیے، کیونکہ لفظ ''راع'' کا معنٰی ہے چرواہا، اور یہاں اس سے سرپرست اور نگہبان مراد ہے۔ جس طرح چرواہے پر اس کے ریوڑ کے امور مثلاً جانوروں کو پانی پلانا، چرانا اور ان کی دیکھ بھال کرنا لازمی ہوتے ہیں اسی طرح سرپرست پر بھی اپنے متعلقہ لوگوں کی ذمہ داریاں لازم ہوتی ہیں کہ انھیں جتنا خوبی سے ممکن ہو سکے نبھائے۔ تو اس اعتبار سے مرد اپنے گھر، اعمال اور اپنے معاشرے سے متعلق ذمہ داریوں پر ذمہ دار ہے، اور عورت اپنے اور شوہر کے گھر کی ذمہ دار ہے۔ بہر حال انسان جہاں بھی ہو اس پر بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ سرپرستی (الرعاية) کا اصول یہ ہے کہ اپنے اوپر عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو اچھے طریقے

سے نبھایا جائے۔ بالکل یہی اصول ایک نیک گھرانے کا بھی ہے جس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے شوہر اور بیوی پر ایک دوسرے سے متعلق بہت سی ذمہ داریاں ڈالی ہیں۔ لہٰذا ایک نیک گھرانے کے اصول میں اچھا طرزِ عمل اور تعلق ہی دراصل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم کے مطابق ہے، یعنی ایک دوسرے کا خیال رکھنا اور ساتھ دینا۔ یہ انسانیت کے تمام روابط میں سے مضبوط ترین، قریب ترین اور اہم ترین رابطہ ہے۔ کوئی بھی تعلق زوجین کے تعلق سے زیادہ قریب نہیں۔

چنانچہ اس احتساب پر مبنی نگہبانی کے اصول کی حیثیت سے میاں اور بیوی دونوں پر لازم ہے کہ ہر ایک اپنی ذمہ داری بخوبی سرانجام دے اور اس کا پورا حق ادا کرے جو اس کے رب نے اس پر عائد کیا ہے، یعنی دیکھ بھال کرنے کی ذمہ داری کے سبب مرد کو بیوی کے ساتھ اچھا تعلق اور ساتھ نبھانا چاہیے اور عورت کو اس کی فرمانبرداری کر کے بہترین بدلہ دینا چاہیے تاکہ ان میں محبت اور دوستی ہمیشہ قائم رہے۔ لہٰذا جب حدیث پاک میں ہر انسان کو اپنے فرائض اور ذمہ داریاں اچھے طریقے سے ادا کرنے کا پابند کیا گیا ہے تو میاں بیوی کے مابین اچھا برتاؤ اور مکمل دوستی ضروری ہو جاتی ہے۔

اس کا اندازہ اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ نے انسان کو اس معاملے میں خاص طور پر حکم دیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا﴾. "اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو، پھر اگر تم انھیں ناپسند کرو تو ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھ دے"** (النساء: 19)۔ پس زندگی میں میاں بیوی کا باہم حسنِ سلوک لازم ہے، اگرچہ بغاوت اور غیر اخلاقی برتاؤ کا ارتکاب کیے بغیر غربت، بڑی عمر، بدصورتی، بیماری، ناپسندیدہ عادات کے سبب وہ بیوی کو ناپسند ہی کیوں نہ کرتا ہو، تب بھی زندگی میں باہم حسن سلوک اور اچھائی ناگزیر ہے، کیوں کہ ناپسندیدگی باہمی تعلقات کی خرابی کا سبب نہیں ہے۔ اچھے گھریلو تعلقات کو ختم کرنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ اگر بیوی نافرمانی کرے، غیر اخلاقی برتاؤ کا ارتکاب کرے، زبان درازی کرے، قول و عمل میں گستاخی کرے، بے حیائی پر اتر آئے، تب مرد کے لیے جائز ہے کہ اس سے بستر علیحدہ کر لے یا شرعی حکم کے موافق اس کی ہلکی سرزنش کرے۔ اس کے بعد بھی بیوی ان افعال سے باز نہ آئے تب طلاق دینے میں کوئی حرج نہیں۔ اس کے علاوہ کسی صورت

میں اس کے ساتھ برا سلوک کرنا درست نہیں، خصوصاً جب اس کے ساتھ اچھے گھریلو تعلقات رکھنا ایک اجر والا عمل ہے۔ ایسا ممکن ہے کہ ایک انسان اپنی بیوی میں جو ناپسند کرتا ہو، اس میں اس کیلئے خیر ہو جو صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ یقیناً ایسا ہو سکتا ہے کہ انسان کسی چیز کو ناپسند کرتا ہے اور اسی چیز میں اس کی بھلائی کا راز چھپا ہوتا ہے جسے صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک صحیح حدیث میں ارشاد فرمایا: **لا يفرَك مؤمنٌ مؤمنةً إن سخِطَ منْها خُلقًا رضِيَ منْها آخرَ "کوئی مومن مرد اپنی مومنہ بیوی سے نہیں اُکتاتا، اگر اسے اس کی کوئی ایک عادت ناگوار گزرتی ہے تو وہ اس کی کسی دوسری عادت سے خوش ہو جاتا ہے"** (تفسیر ابنِ کثیر)۔ یعنی مرد کو چاہیے کہ وہ اسے ناپسند نہ کرے اور اس بنا پر اسے چھوڑ نہ دے، یہ درست نہیں۔ بلکہ مرد کو اس کی برائیوں کو نظر انداز کر کے اس کی خوبیوں کو سراہنا چاہیے۔ اسے اس میں جو پسند ہے، اس کی وجہ سے ناپسندیدگی کو نظر انداز کر دینا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ نے اچھے اخلاق اور احسان و نیکی کے ساتھ سماجی زندگی گزارنے پر ابھارا ہے اور صدقہ کرنے کے برابر اس کا ثواب بتلایا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: **كلُّ معروفٍ صدقةٌ وإنَّ من المعروفِ أن تلقَى أخاكَ بوجهٍ طلقٍ "ہر نیکی صدقہ ہے اور اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا بھی صدقہ ہے"** (ترمذی، کتاب 27، حدیث 76)۔ اس حدیث سے لفظ ''معروف'' کا مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ مکمل اطمینان کے ساتھ اپنے فرائض کو پورا کرنا معروف کہلاتا ہے۔ مثلاً اگر والد اپنے بیٹے سے پانی طلب کرے اور بیٹا پانی لا کر خاموشی سے اس کے سامنے میز پر رکھ دے تو اگرچہ باپ کو پانی کے بارے میں علم نہیں ہوا کہ پانی آ چکا ہے مگر بیٹے کا یہ عمل والد کی اطاعت ہی کہلائے گا، اس سے نافرمانی اور گناہ نہیں ہوتا۔ لیکن اگر بیٹا پانی لائے اور اچھے سے انداز میں اپنے ہاتھوں سے والد کو پینے کے لیے پیش کرے اور انتظار کرے، اور پھر جب باپ اس سے پانی کا گلاس وصول کر لے یا اسے خود میز پر رکھنے کا کہہ دے تو بیٹے کا یہ عمل معروف (بہترین نیکی) ہے۔ چنانچہ معروف یعنی احسن انداز سے عمل کرنا فرض سے اعلیٰ درجے میں ہے، لیکن معروف خود فرض یا واجب نہیں بلکہ یہ مستحب ہے، جو اس پر عمل کرے گا، اسے اجر ملے گا اور اس پر عمل پیرا نہ ہونے والے پر کوئی گناہ نہیں۔

مستحب ادا کرنے والے کا درجہ فرض ادا کرنے سے اعلیٰ ہے کیونکہ جو کوئی بھی اس دنیا میں مندوبات ادا کرنے کا خواہشمند ہوگا، وہ فرائض کی ادائیگی میں بھی آگے آگے ہی ہوگا۔ لہٰذا کوئی بھی شخص جو دنیا میں فرائض کی طرح مستحبات پر بھی عمل کرتا ہے، اس کے عمل کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتا ہے کہ جنت میں بہت سارے درجات ہیں اور صرف فرائض پر عمل کرنے والے لوگ جنت کے ان اعلیٰ درجات کو نہیں حاصل کر سکیں گے۔ ان اعلیٰ درجات پر وہی لوگ فائز ہوں گے جنہوں نے فرائض و واجبات کی طرح مستحبات پر بھی پابندی سے عمل کیا ہوگا۔ پس مستحبات کو بجالانے سے روح و جان کو ترقی ملتی ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے، اسی لیے حشر میں اللہ تعالیٰ مستحبات پر چلنے والوں کو باقی لوگوں سے ممتاز کریں گے اور وہی لوگ احسان و بھلائی کرنے والے ہوں گے۔ اسی کے متعلق نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **وأوَّلُ مَن يدخُلُ الجنَّةَ أهلُ المعروفِ "سب سے پہلے جو جنت میں داخل ہوں گے وہ معروف کرنے والوں میں سے ہوں گے "**(طبرانی، المعجم الاوسط)۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مردوں کو یہ حکم دیا کہ **﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ "انھیں اچھے طریقے سے بساؤ"**(النساء:19)۔ مردوں کو اس بات کی تعلیم ہے کہ وہ بیوی کی دیکھ بھال کے معاملات اچھے طریقے، اچھے اخلاق اور بہتر انداز میں نبھاتے ہوئے ان کے متعلق اپنا حق استعمال کریں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا ایک بہانہ ہے تاکہ وہ اپنے بندوں کو جنت کے اعلیٰ درجات پر فائز کرے اور یہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ازدواجی زندگی کی دیکھ بھال میں بہتری کی رغبت ہے۔ چنانچہ جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ اچھی طرح سے تعلق نبھاتا ہے اور اس کے تمام معاملات کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتا ہے اس کا اجر اس شخص سے کہیں بڑھ کر ہے جو اپنی بیوی کے حقوق کو صرف فرائض کی حد تک پورا کرتا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مردوں کو یہ حکم دیا کہ **﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ "انھیں (اپنی بیویوں کو) اچھے طریقے سے بساؤ"**(النساء:19)۔ اسی کی مناسبت سے ایک جگہ یہ بھی فرمایا: **﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ "عورتوں کیلئے بھی وہی حقوق ہیں جو اچھائی میں (مردوں کے حقوق) ان پر ہیں"**(البقرۃ:228)۔

نکاح ایک اہم ذمہ داری ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں، مردوں اور عورتوں کو سونپی ہے اور ہر انسان پر یہ لازم ہے کہ وہ جس طرح ہر پیش آنے والے معاملے پر اپنی کامیابی کے لیے توقف اور سوچ بچار کرتا ہے، اسی طرح نکاح کے

معاملے پر بھی اسے چاہیے کہ وہ اپنے اوپر آنے والی ذمہ داریوں کے بارے میں کامیابی کا فکر مند ہو۔ تاہم مسلمان ہر حکم کی ادائیگی کے طریقہ کار کیلئے اس معاملے میں اللہ کے بتائے طریقہ کار کی طرف رجوع کرتا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان اپنے معاملے کیلئے کوئی نیا طریقہ ایجاد نہیں کرتا بلکہ وہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ میں سے یہ طریقہ کار ڈھونڈتا ہے اور پھر اسی پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ اور کسی مسلمان کے لیے یہ کام یعنی پیش آنے والے معاملات میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم معلوم کرنا ایمان کا تقاضا ہے جیسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے کی فرضیت ایمان کا تقاضا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿**يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ ءَامَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ**﴾ **"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے علم حاصل کیا اللہ ان کے درجے بلند کرتا ہے"** (المجادلۃ: 11)۔ کیونکہ ایمان حکم شرعی پر عمل کا تقاضا کرتا ہے اور عمل حکم شرعی کے معلوم ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ پس شرعی احکامات کا فقط جان لینا اور ان پر عمل نہ کرنا ایمان کے لیے معتبر نہیں۔ لہٰذا میاں بیوی کا اچھے اخلاق و کردار کے ساتھ باہمی زندگی گزارنا اللہ کی طرف سے وہ حق ہے جو اللہ نے بیوی کا شوہر پر رکھا ہے۔ یہ حق اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے بیوی کو شوہر کے حوالے سے بھی بار بار یاد دلایا گیا ہے۔

جیسے اچھی گھریلو زندگی دونوں میں سے ہر ایک کا دوسرے پر حق ہے اور اس کا ادا کرنا واجب ہے، تو شوہر کے لیے ناگزیر ہے کہ اپنی بیوی کے ساتھ باہمی تعاون کی سطح کو معروف (یعنی اچھے برتاؤ اور باہم حسن سلوک) کی حد تک بڑھانے میں پہل کرے، اور بیوی جس سطح کا معاملہ یا برتاؤ کرتی ہے اس کی پرواہ نہ کرے۔ یہ مرد پر پہلے فرض ہے اور بیوی کے اچھا برتاؤ نہ کرنے کی صورت میں اس پر سے یہ فرض ساقط نہیں ہوتا کیونکہ یہ بیوی کا حق اور مرد پر فرض ہے۔ مرد کا اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرتے رہنا اسے گناہوں سے بری کرنے کا ذریعہ ہے۔ اسی طرح بیوی کی طرف سے اچھا سلوک اور برتاؤ نہ ملنے پر صبر کرنا مرد کے لیے اجر عظیم کا باعث ہے۔ یہی اصول خاتونِ خانہ کے لیے بھی ہے کہ شوہر کے ساتھ باہمی تعاون اور حسن سلوک سے پیش آنے میں ہمیشہ پہل کرنے کی کوشش کرے تاکہ وہ اپنی ذمہ داری پوری کر سکے، اور اگر شوہر کی طرف سے اس کو اپنے حقوق نہ ملیں تو یہ اسے اس کی ذمہ داریاں پوری کرنے سے نہ

روکے۔ اگر اس پر وہ صبر کرتے ہوئے اپنی ذمہ داریاں پوری کرے تو اس کے لیے بھی اجر عظیم کا وعدہ ہے جیسے اللہ سبحانہ وتعالی نے مرد سے وعدہ کیا ہے۔

اسلام نے معاشرت کے جو طریقے اور اصول بنائے ہیں وہ میاں بیوی کو تاکید کرتے ہیں کہ وہ آپس میں اچھے برتاؤ اور نیکی میں سبقت کرنے کا طریقہ اپنائیں۔ یہ احکامات ازدواجی زندگی کو اچھائی کے کاموں میں ایک مستقل اور اہم ترین مقابلے کی طرح بنادیتے ہیں جس میں ہر وقت اپنی ذمہ داری پر نظر رہتی ہے، اور اس معاملے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش میں بھی لگے رہتے ہیں، تاکہ روزِ قیامت انہیں اپنی نیکیوں کی کثرت پر فخر ہو۔ اس طرح اسلام میں ازدواجی زندگی گزارنے کا طریقہ کسی بھی قوم، قبیلے یا مذہب سے بالکل ممتاز ہو جاتا ہے اور اس طرح اسلام کی یہ شرط بھی پوری ہو جاتی ہے کہ ازدواجی زندگی مؤمن کی زندگی کا ہی ایک حصہ ہونا چاہیے جسے وہ اعلیٰ درجے اور خوشی کے ساتھ ایسے گزارے جس کی بناء پر وہ دیگر انسانوں سے ممتاز ہو جائے۔

مؤمن کا طرز عمل اور کردار ایک مستحکم طریقہ ہے جس میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ اور تردد نہیں ہونا چاہیے، کیوں کہ اس کے تمام اعمال شریعت کے مطابق ہوتے ہیں جن میں ذاتی آرا، رجحانات وغیرہ کا لحاظ نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ کسی بیرونی اثر ورسوخ سے متاثر ہوتا ہے جو اسے حکم شرعی پر عمل سے روک سکے۔ پس مؤمن زمانے کی روش پر نہیں چلتا بلکہ زمانے کو شریعت کے فیصلوں کے مطابق ڈھالنے کے لیے کوشاں رہتا ہے، کیونکہ ایمان مکمل زندگی گزارنے کے ایک طریقے کا نام ہے، یہ دنیا میں کسی خاص فکر یا مقصد یا ہدف کے ساتھ اتفاقیہ تعلق کا نام نہیں۔

چنانچہ ایک مخلص مؤمن جب تک زندہ رہتا ہے، زندگی کے تمام معاملات، مسائل اور حالات کا سامنا ایمان کی پختگی اور احکامِ شرعیہ کی روشنی میں کرتا ہے۔ حذیفہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **لاَ تَكُونُوا إِمَّعَةً تَقُولُونَ إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَحْسَنَّا وَإِنْ ظَلَمُوا ظَلَمْنَا وَلَكِنْ وَطِّنُوا أَنْفُسَكُمْ إِنْ أَحْسَنَ النَّاسُ أَنْ تُحْسِنُوا وَإِنْ أَسَاءُوا فَلاَ تَظْلِمُوا "تم ایسے نیچ لوگ مت بنو جو کہیں: اگر ہمارے ساتھ کوئی اچھائی کرے گا تو تب اس کے ساتھ اچھائی کریں گے، اور جو برائی کرے تو ہم بھی اس کے ساتھ**

برائی کریں گے، بلکہ تم اپنے نفس میں ٹھہراؤ پیدا کرو، جو تمہارے ساتھ اچھائی کرے اس کے ساتھ اچھائی کرو اور جو تمہارے ساتھ برائی کرے تم اس کے ساتھ برائی کرنے سے خود کو بچاؤ" (بخاری)۔

مؤمن مرد و عورت کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ناپسندیدہ اور طبیعت کے ناموافق امور پر صبر کرنے سے اجر ملتا ہے اور گناہ دُھلتے ہیں۔ اس بارے میں بے شمار احادیث وارد ہوئی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **لَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ أَوِ الْمُؤْمِنَةِ فِي نَفْسِهِ وَمَالِهِ وَوَلَدِهِ حَتَّى يَلْقَى اللَّهَ تَعَالَى وَمَا عَلَيْهِ مِنْ خَطِيئَةٍ "مؤمن مرد اور عورت اپنے نفس، اولاد اور مال پر آنے والی مصیبتوں پر صبر کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملاقات کرتے ہیں کہ ان پر کوئی گناہ نہیں ہوتا"** (ترمذی)۔ لہذا اگر شوہر اپنی بیوی کی طرف سے ناپسندیدہ امور پر صبر کرتا ہے اور اسی طرح بیوی اپنے شوہر کی جانب سے ناپسندیدہ امور کے پیش آنے پر صبر کرتی ہے تو یہ ان دونوں کے گناہ مٹنے کا باعث ہو جائے گا ان شاء اللہ۔ امت کے علماء، صالحین اور نیک لوگوں نے اس حقیقت کا ادراک کیا اور اسی طریقے سے زندگی گزاری۔

چنانچہ ابو بکر محمد بن عبداللہ ابن العربی فرماتے ہیں کہ ابو القاسم بن حبیب (بالحدیہ) نے ان سے کہا کہ انھوں نے عبد القاسم السوری سے، انھوں نے ابو بکر بن عبداللہ سے سنا: شیخ ابو محمد بن ابی زید علم و آگاہی میں بہت اونچے مرتبے پر فائز تھے مگر ان کی بیوی بڑی بری صحبت والی تھی اور ان کے حقوق ادا کرنے میں بہت کوتاہی برتتی تھی، اور زبان درازی کرتی تھی۔ لوگ انہیں اس عورت کی وجہ سے طرح طرح کی باتیں کہتے اور اس کے افعال پر صبر کرنے پر انہیں ملامت کرتے تھے، تو وہ جواب میں فرماتے تھے: 'اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت، نعمت اور مال و دولت جیسی نعمتوں سے نوازا ہے تو شاید اس عورت کے ذریعے مجھے میرے گناہوں کے کفارے کی مہلت دی ہوئی ہے، پس میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے اس عورت سے جدائی کر لی تو اس سے زیادہ بڑے اور سخت عذاب میں گرفتار نہ ہو جاؤں'۔

ازدواجی ہم آہنگی کی بنیاد مرد اور عورت میں سے ہر ایک کا زندگی میں رضامندی کے ساتھ اپنا کردار ادا کرنا ہے، ان خصوصیات اور صلاحیتوں کے لحاظ سے جو اللہ تعالیٰ نے ان میں ودیعت کی ہیں۔ پس جو بھی نفس کی سرکشی پر قائم رہا، یا

اپنی ذمہ داری ادا کرنے سے اُکتانے لگا تو وہی خوشگوار زندگی اور کامل مفاہمت کے دھارے سے انحراف کا جواز پیش کرنے کا سبب ہوگا، کیونکہ ازدواجی زندگی کی کامیابی کی ذمہ داری اکیلے مرد یا عورت پر نہیں ہے بلکہ دونوں کے اپنے اپنے کردار ادا کرنے پر ہے۔ شادی میں معاشرت کا مطلب ہے زوجین کے جسموں کا ملنا، ان کے احساسات کا ملنا، ان کے افکار کا ملنا، یہاں تک کہ ان کی روحوں کا ایک دوسرے سے تعلق جوڑ لینا، اسی چیز کو مرد کے فرائض و حقوق اور بیوی کے فرائض و حقوق میں ایک ضابطے اور وضاحت سے منظم کیا جاسکتا ہے۔ اس موضوع پر قرآنی آیات اور احادیثِ نبوی ﷺ کو دیکھنے سے یہ احساس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نکاح سے وجود میں آنے والے خاندانی نظامِ زندگی کے متعلق ہر چھوٹا بڑا مسئلہ تفصیل سے بیان کیا ہے، بالکل اسی طرح جیسے اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا کیا، کہ اس میں ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز کو اس کی تخلیق میں کامل کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آدمی پر اپنی بیوی کے زندگی کے امور کے انتظام کی ذمہ داری عائد کر دی ہے جس میں اس کا نفقہ، صحبت، کھانا پینا، لباس، رہائش، تحفظ اور علاج وغیرہ کو اچھے اور باہمی تعاون کے ساتھ ادا کرنا لازم ہے۔ یہ سب اچھے تعلقات کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔ اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بیوی پر یہ لازم کیا کہ اپنے شوہر کی فرمانبرداری کرے اور اور اپنے اوپر عائد ہونے والی تمام ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے ادا کرے۔ چنانچہ یہ اس پر لازم ہے کہ شوہر کے کھانے پینے کا انتظام کرے، گھر کو صاف ستھرا رکھے، بچوں کی صفائی و ستھرائی پر توجہ دے، شوہر کے مال کی حفاظت کرے، اس کی عدم موجودگی میں اس کے گھر اور آبرو کی حفاظت کرے، اس کے رازوں پر سے پردہ نہ ہٹنے دے، گھر میں کسی کو اس کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہونے دے، اور نہ ہی بلا اجازت خاوند کے گھر سے خود باہر نکلے، بنیادی اشیاء میں بھی بہت زیادہ مطالبات نہ کرے، بلا اجازت شوہر کا مال بلکہ کھانا تک کسی کو نہ دے، اخراجات بھی اسی کی اجازت سے کرے، نہ بلا اجازت نفلی روزے رکھے، کسی بھی معاملے میں اس کی نافرمانی نہ کرے، جب وہ موجود نہ ہو تب بھی اس کے احکامات کی پابندی کرے، نہ اس کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کرے، اس کے ساتھ بدتمیزی اور بدمزاجی سے پیش نہ آئے۔ اسی طرح بدکلامی اور بدتمیزی بھی نہ کرے، جب بھی وہ اسے بلائے فوراً حاضر ہو جائے، اور اس کی رضا و راحت کے لیے ہر ممکن کوشاں رہے۔ اور مرد کو چاہیے کہ بیوی کو سرکشی اور من مانی وغیرہ سے روکے، جب کہ عورت کی ذمہ داری ہے

کہ جو کچھ بھی ہو اسی پر قناعت کرے۔ یہ تمام معاملات احکام شریعہ ہیں جن پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر عظیم کا باعث ہے۔ اسلام نے خوشگوار زندگی گزارنے کی حوصلہ افزائی کی ہے تاکہ میاں بیوی اچھی زندگی سے لطف اندوز ہوں کیونکہ شادی کا مقصد زندگی میں نیکی و بھلائی اور مکمل خوشی حاصل کرنا ہے۔

اللہ عزوجل نے ازدواجی زندگی میں سے ناکامی کو نکال دیا ہے تاکہ کسی شخص کے بارے میں یہ نہ کہا جائے کہ وہ زندگی بھر ازدواجی تعلق میں غمزدہ ہے۔ البتہ اگر معاملہ طلاق تک پہنچ رہا ہو تو اللہ عزوجل نے میاں اور بیوی کو حکم دیا ہے کہ ناکامی کے ازالے کی لیے ٹھوس اقدامات کو اختیار کریں۔ چنانچہ مرد کو حکم دیا کہ بیوی کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئے اور اس کی کج روی کے باوجود اس سے لطف کا معاملہ رکھے، چاہے مصنوعی طور پر ہی کیوں نہ ہو، اور عورت کو حکم دیا کہ اپنے شوہر کی مکمل فرماں برداری کرے۔ اگر شوہر ناراض ہو جائے تو اسے راضی کرنے کی کوشش کرے، اگر وہ راضی ہو گیا تو بیوی کے لیے اجر ہے اور اگر راضی نہ ہوا تو اللہ کے ہاں اس کا عذر قبول ہو گا ان شاء اللہ۔ اگر خاوند مشتعل ہو جائے، یعنی اپنی بیوی کو ناپسند کرنے لگے اور اس کی صحبت سے کنارہ کش رہنے لگے تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ نے بیوی کو ہدایت کی ہے کہ وہ حتی الامکان دست برداری اور علیحدگی سے اجتناب کرے تاکہ وہ، جیسے بھی ممکن ہو، مرد کی نگہبانی میں بیوی بن کر رہے۔ اگر عورت بغاوت پر اتر آئے یا فحاشی کا ارتکاب کر بیٹھے تو مرد کو چاہیے کہ اسے وعظ و نصیحت کرے اور اسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات اور اس پر شریعت کی جانب سے عائد ذمہ داریوں کی یاد دہانی کروائے تاکہ وہ گناہ، برائیوں اور بدزبانی سے باز آ جائے اور اسی طرح اسے نافرمانی اور بدکلامی پر اللہ کے عذاب سے ڈرائے۔ پس اگر وہ باز نہ آئے تو اسے اکیلا چھوڑ دے اور اس سے نہ ملے اور نہ اسے طلب کرے یہاں تک کہ وہ اپنے برے افعال سے رک جائے اور اگر وہ پھر بھی نہ رکے تو شوہر کو اسے ہلکی مار مارنے کا حق ہے جو اس کے لیے اذیت رسانی کا باعث نہ بنے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کی آیت ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ **"مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے"** (البقرۃ:228)، کی تفسیر میں فرماتے ہیں: 'مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہونے میں مرد کو اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ وہ حسن سلوک اور عورتوں کے لیے خرچ اور اخلاقیات میں وسعت کا

مظاہرہ کریں، یعنی آدمی کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ تمام تر مشکلات وصعوبتیں اپنے نفس پر اٹھار کھے'۔ یہی فضیلت ہے جو مرد کا زیادہ سے زیادہ ذمہ داریاں نبھانے کا سبب ہے، یہ فضیلت اس لیے نہیں کہ مرد جیسے چاہے ظلم وزیادتی پر اتر آئے۔ عام طور پر دین سے لاعلم طبقے کی خواتین کا خیال یہی ہوتا ہے کہ مرد ظلم وزیادتی اپنی فضیلت کی وجہ سے روا رکھتا ہے لیکن ایسا ہر گز نہیں۔ جو خواتین اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرتی ہیں اور ازدواجی زندگی میں عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو رضامندی وخوش اسلوبی سے ادا کرتی ہیں ان کا اجر اللہ سبحانہ وتعالی نے شہداء کے اجر کے برابر رکھا ہے۔

چنانچہ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف لائیں جب کہ آپ ﷺ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف فرما تھے۔ حضرت اسماءؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں آپ کے پاس عورتوں کی طرف سے قاصد بن کر آئی ہوں۔ اللہ عزوجل نے آپ کو تمام کے تمام مردوں اور عورتوں کی طرف مبعوث فرمایا ہے اور ہم آپ پر اور اللہ پر ایمان لائے، لیکن ہم عورتیں تو گھروں کی چوکھٹوں تک ہی محدود ہو کر رہ گئی ہیں، اور مردوں کو ہم پر بہت سی فضیلتیں حاصل ہو گئی ہیں، مثلاً وہ جمعہ کی باجماعت نماز میں شریک ہوتے ہیں، مریضوں کی عیادت کرتے ہیں، نماز جنازہ کی ادائیگی اور اکیلے حج وغیرہ کر لیتے ہیں، اور تو اور، اس سے بھی بڑھ کر وہ جہاد فی سبیل اللہ بھی کرتے ہیں۔ جب وہ جہاد یا حج وغیرہ کے لیے روانہ ہوتے ہیں تو ان کے گھروں میں پیچھے ہم ہی ان کے گھر بار کی دیکھ بھال کرتی ہیں، ان کے بچوں کی تربیت کرتی ہیں، ان کے کپڑے سیتی ہیں، تو کیا ہمارے لیے کوئی گنجائش ہے کہ مردوں کے شانہ بشانہ ہم بھی ان نیکیوں میں شامل ہو جائیں؟ تو نبی کریم ﷺ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کی طرف مکمل چہرہ پھیر کر متوجہ ہوئے اور پوچھا: **هل سمعتم مسألة قط أحسن من مسألتها في أمر دينها، من هذه؟ "کیا تم نے کبھی (دین کے معاملے میں) ایسا کوئی سوال سنا ہے جو اس عورت کے سوال سے بہتر ہو؟"**۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم نے تو سوچا بھی نہیں تھا کہ کوئی عورت بھی کبھی اس طرح کا سوال کر سکتی ہے"۔ تو نبی کریم ﷺ اس عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: **انصرِفي أيَّتُها المرأةُ وأعلِمي من وراءكِ من النِّساءِ أن حُسنَ تَبعُّلِ إحداكنَّ لزوجِها وطلبَها مَرضاتَهُ واتِّباعَها موافقتهُ**

يعدِلُ ذلِكَ كلَّهِ "اے خاتون جان لو اور اپنے پیچھے رہ جانے والی عورتوں کو بھی بتادو کہ عورت جو ہر معاملے میں اپنے خاوند کی مرضی پر چلتی ہے تاکہ وہ خوش ہو جائے اور ہر بات میں اسی کی فرمانبرداری کرتی ہے، اس کا یہ عمل مردوں کے ان سب اعمال کے برابر ہے" (مسلم)۔

فہرست

سقوط کابل، 20 سال بعد

خالد صلاح الدین- پاکستان

15 اگست 2021ء کو طالبان ملک کے دیگر علاقوں پر شاندار کامیابی حاصل کرنے کے بعد آخر کار کابل میں داخل ہو گئے۔ ایّام کا بھی کیسا چکر ہے کہ وہ طالبان، جنہیں 20 سال پہلے دہشت گرد قرار دیا گیا تھا، اب ان سے امریکہ بھی اپنے پھنسے ہوئے شہریوں اور فوجیوں کی حفاظت کی درخواست کر رہا تھا۔ امریکہ نے 20 سال اور 20 کھرب ڈالر خرچ کیے، 130،000 اتحادی فوجیوں پر کمان کی، 300،000 کی افغان سیکورٹی فورس بنائی، اور دنیا کی بہترین اور مہلک ترین فضائی طاقت استعمال کی۔ پھر بھی، اپنے مقابلے میں شاید 75000 غیر مسلح طالبان کی طاقت کو شکست دینے سے قاصر رہا۔ اس سے زیادہ تضاد ممکن نہیں، ایک طرف امریکی افواج لبرل جمہوریت کے لیے صف آراء، زبردست ٹیکنالوجی سے لیس ہتھیاروں کے ساتھ اور دوسری طرف طالبان، اسلام سے متاثر، اپنے معمولی ہتھاروں کے ساتھ۔ اس شکست کی شدت کا اندازہ بدنام زمانہ بگرام ہوائی اڈے سے امریکی افواج کے رات کے اندھیرے میں 2 بجے اپنے افغان شراکت داروں کو بتائے بغیر فرار ہونے سے لگایا جا سکتا ہے۔

اس واقعے نے ان متضاد فیصلوں کی یاد کو تازہ کر دیا جہاں ایک طرف جنرل مشرف نے امریکہ کے ساتھ مل کر ان کی کارروائیوں میں "بلا امتیاز مدد" فراہم کی اور دوسری طرف ملا عمر اور طالبان، جنھوں نے جہاد کو اپنایا۔ یہ تضاد افراد کے بارے میں نہیں، بلکہ ان کے سوچنے کے عمل کے بارے میں ہے، ایک کی سوچ روشن خیال اعتدال پسندی پر مبنی تھی اور دوسرے کی سوچ اللہ سبحانہ وتعالی کے حکم پر مبنی تھی۔

سورۃ الانفال میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ; **يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ حَرِّضِ ٱلْمُؤْمِنِينَ عَلَى ٱلْقِتَالِ إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَـٰبِرُونَ يَغْلِبُوا۟ مِاْئَتَيْنِ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّاْئَةٌ يَغْلِبُوٓا۟ أَلْفًا مِّنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ** "اے نبی ﷺ! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیجئے۔ اور اگر وہ بیس آدمی

ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو کافروں پر غالب رہیں گے۔ اور اگر سو (ایسے) ہوں گے تو ہزار پر غالب رہیں گے۔ اس لیے کہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ کچھ بھی سمجھ نہیں رکھتے۔" (سورۃ انفال 8:65)۔

یہ حکم جہاد میں مصروف لوگوں کی دو اہم خصوصیات پر مشتمل ہے یعنی صبر اور استقامت۔ اس کا مطلب ہے کہ اس راستے میں سخت مشکلات پیش آئیں گی۔ ایسا وقت بھی آئے گا جب کوشش کو برقرار رکھنا مجاہد کی جسم اور ذہن پر بہت دباؤ ڈالے گا۔ اس حوالے سے اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں: **وَلَا تَهِنُوا۟ فِى ٱبْتِغَآءِ ٱلْقَوْمِ ۖ إِن تَكُونُوا۟ تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ ٱللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا "اور کفار کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرنا اگر تم بے آرام ہوتے ہو تو جس طرح تم بے آرام ہوتے ہو اسی طرح وہ بھی بے آرام ہوتے ہیں اور تم اللہ سے ایسی ایسی امیدیں رکھتے ہو (یعنی اجر اور جنت) جو وہ نہیں رکھ سکتے اور اللہ سب کچھ جانتا اور (بڑی) حکمت والا ہے"** (سورہ النساء 104:4)۔

چنانچہ، جب ملا عمر اور طالبان نے اس حکم کی پاسداری کا فیصلہ کیا تو شاید انہیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ کب، کہاں اور کیسے فتح حاصل کریں گے، یا یہ کہ وہ اسے دیکھنے کے لیے زندہ بھی رہیں گے یا نہیں۔ لیکن وہ یہ جانتے تھے کہ انہیں مضبوط، صبر اور ثابت قدم رہنا ہوگا۔ وہ جانتے تھے کہ جو اللہ کی راہ میں مدد کرتا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کی مدد کرتا ہے اور انہیں طاقت فراہم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، **يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِن تَنصُرُوا۟ ٱللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ "اے اہل ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا"** (سورۃ محمد 47:7)۔

قرآن کی یہ آیت، بہت سی دوسری آیات کی طرح ہمیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کی ہدایت کرتی ہے۔ یہ وہی حکم تھا جسے جنرل مشرف دور کی فوجی قیادت اور ان کے تمام پیروکاروں نے نہ صرف نظر انداز کیا بلکہ اصل میں اس کی نافرمانی کی۔ اس خلاف ورزی کی "حکمت" آج سب کے لیے واضح ہے۔ ان لوگوں کو فتح حاصل ہوئی جو اللہ کے قانون کی پاسداری کرتے ہیں، جبکہ وہ لوگ شرمندہ ہوئے جنہوں نے کفار کا ساتھ دیا۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں

ارشاد فرماتا ہے: **وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ" تو (ادھر تو) وہ چال چل رہے تھے اور (اُدھر) اللہ چال چل رہا تھا۔ اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے"** (سورہ انفال 8:30)۔

یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ کیسے 20 سالوں کے بعد طالبان نے امریکہ کو شکست دی اور اقتدار حاصل کر لیا۔ امریکہ کے کئی اہم فیصلے کیے جو آخر کار اس کے افغانستان سے مکمل انخلاء کے فیصلے کا باعث بنے۔ ایک طرف، امریکہ کی بدعنوان افغان حکومتیں جو اپنے لیے یا اپنے قبائل کے لیے مال بٹورنے میں بہت مصروف تھیں، عوامی ذمہ داریوں سے مکمل طور پر دستبردار رہیں جس سے مقامی آبادی طالبان کو مدد فراہم کرنے کی طرف راغب ہوئی۔ افغان جنگ کے 3 سالوں کے اندر اندر عراق میں امریکی جنگ کا نتیجہ یہ تھا کہ سیاسی، عسکری اور معاشی وسائل دونوں ممالک کے درمیان بٹ گئے، جہاں دونوں ممالک میں انسداد شورش کے لیے مہنگی کاوشوں کی ضرورت تھی۔ اس صورتحال نے، 2008 کے مالی بحران کے ساتھ، امریکی اقتصادی مشین کو مفلوج کر دیا، جس سے امریکی فوج کی صلاحیتوں پر خاطر خواہ اثر پڑا۔ دسمبر 2010 سے 2011 کے وسط تک عرب بہار شام میں بغاوت کا سبب بنی۔ چنانچہ، 2014 تک، امریکہ کو افغانستان اور عراق سے لیکر شام اور لیبیا تک پھیلتے ہوئے عدم استحکام کا سامنا کرنا پڑا۔ اس وقت، امریکہ طالبان کے ساتھ امن کے لیے معاہدہ کرنے کے لیے بے چین تھا، جس کا ثبوت 2015/2014 کے دوران مری میں طالبان کے ساتھ ان کی ملاقاتیں ہیں۔

ایک منصوبہ امریکہ نے بنایا، اور ایک منصوبہ اللہ سبحانہ وتعالی نے بنایا، اور اللہ نے امریکہ کی اپنی پالیسیوں کو امریکہ کی شکست کی وجہ بنا دیا۔ جب طالبان نے جہاد شروع کیا تھا تو یہ واقعات پیش نہیں آئے تھے۔ وہ ان واقعات کے اسٹریٹیجک مضمرات سے بھی بے خبر تھے۔ طالبان مالی بحران کی توقع میں 2008 تک انتظار کرنے کی منصوبہ بندی نہیں کر سکتے تھے اور نہ ہی عرب بہار اور شامی بغاوت کیلئے، جس کے نتیجے میں امریکی جنگی صلاحیتیں ختم ہوئیں۔ وہ ایک چیز پر واضح تھے، جہاد کی ذمہ داری جس پر وہ صابر اور ثابت قدم رہے۔ لیکن یہ اللہ سبحانہ وتعالی ہی کی ذات تھی جس نے ان واقعات کیلئے اسباب پیدا کیے جو بالآخر امریکہ کی شکست اور افغانستان سے ان کے انخلا کا باعث بنے۔

اس کی مثال جنگ خندق میں ملتی ہیں جب اتحادیوں نے اسلام اور مسلمانوں کو شکست دینے اور تباہ کرنے کے لیے مسلمانوں کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ مشکل صورتحال مشکل فیصلوں کا تقاضا کرتی ہے، اور نبی ﷺ نے انصار کو تجویز کیا کہ وہ قبیلہ غطفان کو مدینہ کی کھجور کی فصل کا ایک تہائی حصہ ادا کریں۔ ان مشکل وقتوں میں اللہ نے نعیم بن مسعودؓ کو اسلام کی طرف ہدایت دی۔ نعیمؓ قبیلہ غطفان سے تھے اور یہودیوں اور قریش کے مشرکین کے درمیان قابل احترام تھے۔ چونکہ کوئی بھی ان کے اسلام قبول کرنے کے بارے میں نہیں جانتا تھا، اس لیے انہوں نے بنی قریظہ کے یہودیوں اور ابو سفیان کی قیادت میں موجود قریش کے درمیان دراڑ ڈالنے کی منصوبہ بندی کی۔ نعیم بن مسعودؓ اتحادیوں میں اختلاف پیدا کرنے اور ان کی صفوں کو تقسیم کرنے میں کامیاب رہے۔ جب یہ زبردست اتحاد اس افراتفری کی حالت میں تھا، تب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قریش اور ان کے اتحادیوں پر ایک سخت سرد آندھی نازل کی جس نے ان کے خیموں اور ان کے برتنوں کو اڑا دیا، ان کی آگ بجھادی، ان کے چہروں کو بگاڑ دیا اور ان کی آنکھوں میں ریت ڈال دی۔ الجھن کی اس خوفناک حالت میں، اتحادی اندھیرے کی آڑ میں بھاگ گئے۔

خندق کھودتے وقت رسول اللہ ﷺ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ منافق اور یہودی دھوکہ دیں گے، یا یہ کہ مصیبت کے وقت نعیمؓ مسلمان ہو جائیں گے اور مشرکین اور یہودیوں کے مابین تنازعہ کو پیدا کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے صرف یہ جانتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم کی پابندی کی کہ اللہ کی نُصرت یقیناً آئے گی، یہ جانے بغیر کہ وہ نُصرۃ کیسے اور کہاں سے آئے گی۔ مسلمانوں کو فتح دلانے کے لیے واقعات کی صف بندی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اللہ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے صبر کریں۔

ڈاکٹر Carter Malkasian، جو جوائنٹ چیفس آف سٹاف کے چیئرمین جنرل جوزف ڈنفورڈ کی حکمت عملی کے لیے خصوصی معاون تھا، اپنے ایک مضمون[1] میں انتہائی جامع طور پر 2015 سے 2019 کے عرصے میں امریکہ کی شکست کی وجہ کا خلاصہ بیان کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے: "مجھے اس کا کوئی واحد جواب نہیں ملا کہ ہم جنگ کیوں ہار گئے۔ اگرچہ مختلف وضاحتیں پہیلی کے مختلف حصوں کو حل کرتی ہیں، لیکن جسے میں یہاں نمایاں کرنا چاہتا ہوں وہ شاید میری طالبان کے ساتھ ہونے والی اُس گفتگو، جو اکثر ان کی مادری پشتو زبان میں تھی، میں واضح طور پر دیکھا جاسکتی ہے۔

طالبان ایمان کی خاطر، جنت کی خاطر اور غازی کا رتبہ پانے کے لیے لڑتے ہیں۔...فوج اور پولیس پیسوں کے لیے لڑتے ہیں۔ قندھار کے ایک طالبان مذہبی عالم نے مجھے 2019 میں مجھ سے کہا، 'طالبان لڑائی میں اپنے سر کٹانے کو تیار ہیں'۔ تو فوج اور پولیس ان کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں؟"۔

اس طرح، ایک غیر مسلم امریکی فوج کے سابق فوجی نے مسلمانوں اور اسلام کی طاقت کے جوہر کا احاطہ کیا ہے۔ طالبان کی کامیابی اور امریکہ کی شکست کا بیج اس دن بویا گیا جب طالبان اللہ سبحانہ وتعالی کی رضا کے لیے جہاد پر نکلے کیونکہ کامیابی اللہ سبحانہ وتعالی کے قانون کی پاسداری میں ہی تھی۔ دوسری طرف جب جنرل مشرف نے اللہ سبحانہ وتعالی کے قانون کی خلاف ورزی کی اور امریکہ کو دل کھول کر مدد فراہم کرنے کا فیصلہ کیا، یہی وہ دن تھا جب اس نے پاک فوج کو شرمندگی کے راستے پر ڈال دیا تھا۔ پاکستانی فوج کے پاس تمام ہتھیاروں اور ایٹمی طاقت ہونے کے باوجود، امریکہ کو شکست دینے کا اعزاز سادہ اور پر عزم طالبان مجاہدین کے حصے میں ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم صرف اس کی خاطر اور اس کی رضا کی خاطر اس کے حکم پر عمل کریں، آمین۔

حوالہ جات:

[1] https://www.politico.com/news/magazine/2021/07/06/afghanistan-war-malkasian-book-excerpt-497843

فہرست

ترقی اور ثقافتی تجدید (حصہ اول)

لطفی ابو محمد۔الجزائر

انسان کے لیے ایک فکری اساس کی تشکیل جس کو وہ افکار اور رجحانات پر فیصلہ دیتے وقت مرکزِ نگاہ بنائے، نیز وہ انسان کے لیے منفرد طرزِ زندگی وضع کرے، نشاۃ ثانیہ (نَهضہ-Revival) کہلاتا ہے۔ چنانچہ کسی انسان کے بارے میں یہ فیصلہ کہ وہ ترقی یافتہ (revived) یا زوال سے دوچار ہونے کا فیصلہ، جبلی یا جسمانی خواہشات کی تکمیل کے وقت اس کے رُجحانات اور مفاہیم کے باہمی عمل سے پیدا شدہ رویے کے مطابق کیا جائے گا۔ سو ترقی اور نشاۃ ثانیہ تک لے جانے والے راستے کی جستجو کے موضوع پر کافی زیادہ تحقیق کی گئی ہے، ان تمام کا مقصد ترقی (revival) اور اس تک پہنچانے والے راستے کی شرح و تفہیم کرنا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے خاص طور پر یہ ایک دلچسپ موضوع کی حیثیت رکھتا ہے، جبکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ امت پسماندگی کی دلدل میں پھنسی ہوئی ہے، جس نے فرزندانِ امت کو دیگر تہذیبوں کے ساتھ تقابل در تقابل اور موازنہ کرنے پر آمادہ کر دیا اور بالآخر احساس کمتری کے شکار ہو کر، تسلیوں اور شکست خوردگی کے باعث ان پر وَہن (کمزوری) طاری ہو گیا۔ مغرب نے ان کی اس حالت کا استحصال اس طرح سے کیا کہ ان کے شکستہ خوردہ ذہنوں پر اپنا فکری تسلط قائم کیا۔ جبکہ دوسری طرف، یہ ایک واضح بات ہے کہ قانونِ مدافعت (Law of defense) کے مطابق تہذیبوں کی باہمی کشمکش اور مزاحمت جاری رہتی ہے، اور تہذیب کی شکست کی کسوٹی گھٹنے ٹیک دینا ہے، یا بقول ابن خلدون: كل مغلوب مفتون بتقليد الغالب "ہر مغلوب قوم غالب (آنے والی) قوم کی پیروی کرنے کی خواہشمند ہوتی ہے"۔

پس سرمایہ دارانہ تہذیب نے، جس کو مشرق و مغرب میں پذیرائی حاصل ہے، زندگی کے لیے ایک جُدا تصور اپنایا ہوا ہے جس سے وہ پوری دنیا کی قیادت کرنا چاہتی ہے، ہنٹنگٹن Huntington کے بقول: "وہ خصوصیات جو معاشرے کو مغربی بناتی ہیں خاص ہیں: کلاسیکی میراث، عیسائیت، چرچ اور ریاست کی علیحدگی، قانون کی حکمرانی، سول

سوسائٹی"۔ سرمایہ داریت کے خیال میں خالقِ کائنات کا لوگوں کے اُمور چلانے سے کوئی عمل دخل نہیں، اس اساسی نظریہ سے ایسے قوانین اخذ کیے گئے، جنہوں نے انسانیت کو غلط راستہ پر گامزن کر دیا۔ ان قوانین نے انسان کو نظر انداز کیا اور اس کو محض ایک عدد کی نظر سے دیکھا۔ سرمایہ داریت نے مال و دولت میں اضافہ اور اس میں تنوع پر توجہ دی، امیروں اور غریبوں کے درمیان خلیج کو وسیع تر کر دیا اور لوٹ کھسوٹ کے لیے مختلف ناموں سے قوانین بنائے۔ تو یہ ساری سرگردانی جس میں دنیا ٹامک ٹوئیاں مار رہی ہے، یہ سرمایہ داریت کا نتیجہ ہے، جس میں سرمایہ دارانہ افکار اور ادارے دونوں شامل ہیں۔

اسی وجہ سے اب دنیا والوں کی نظریں اسلام پر مرکوز ہیں کیونکہ اب صرف اسی کو اس قابل سمجھا جا رہا ہے کہ وہ انسانیت کا ہاتھ پکڑ کر اس کو صحیح رُخ پر ڈال دے۔ اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کے پاس عظیم فقہی اور تاریخی ورثہ موجود ہے جس کی بنیاد پر وہ فطری طور پر دنیا کی قیادت لے سکتا ہے۔ اسلام اور اس کے منفرد قوانین نے تاریخی طور پر انسان اور معاشرے کی ترقی میں اپنا لوہا منوایا اور اپنی قابلیت ثابت کر کے دکھائی ہے۔ کیونکہ یہ قوانین ایک ایسی درست کُلی فکر کی بنیاد پر استوار کیے گئے ہیں، جس کی بدولت انسان اس کائنات، انسان اور حیات کو اللہ کے آگے عاجز دیکھتا ہے، پس ان قوانین کے نفاذ سے دنیا کے حالات ٹھیک ہو جاتے ہیں، اور حقیقی بندگی کا تصور اُجاگر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اُمتِ مسلمہ کسی دوسری قوم کی طرح ایک قوم نہیں، بلکہ اس کے کندھوں پر اپنی اور پوری دنیا کی اقوام کی ذمہ داری ڈال دی گئی ہے۔ یہ امت ایک مہذب آسمانی تہذیب نامہ رکھتی ہے، اسی لئے جو کچھ پہلے ذکر ہوا، اسی بنا پر اس مضمون میں ایک فکری نقطۂ نظر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور نشاۃِ ثانیہ کے تصور، تہذیبی تشکیلِ نو کے ساتھ اس کے تعلق اور ان دونوں سے متعلقہ دیگر تصورات پر گفتگو کی گئی ہے۔ اس مضمون میں اس مشہور سوال کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ "دوسری اقوام کیوں ترقی کر رہی ہیں، اور ہم (مسلمان) کیوں پیچھے رہ گئے؟"۔

ماہرین کے درمیان نشاۃِ ثانیہ کا موضوع ہمیشہ سے زیرِ بحث رہا ہے، اس بحث کا مقصد کسی تہذیب کی نشاۃِ ثانیہ کی شروعات کو عملی طور پر سمجھنا ہے، بالخصوص اگر اس کو ان بڑی تبدیلیوں کے تناظر میں دیکھا جائے جو امت میں سیاست، معیشت اور معاشرت کے حوالے سے سامنے آئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ترقی اور نشاۃِ ثانیہ کا موضوع اب کسی

بھی سنجیدہ مکالمے کا ضرور حصہ بنتا ہے۔اس حوالے سے مختلف جوابات سامنے آتے ہیں؛ کچھ لوگ اس کو ٹیکنالوجی کے پہلو سے دیکھتے ہیں، کچھ اس کو اخلاقیات اور کچھ اقتصادیات وغیرہ کے پہلو سے دیکھتے ہیں۔ اس طرح بے شمار بیانیے سامنے آتے ہیں، جن میں تنوع ،دیکھنے والوں کے نقطۂ نظر کے تنوع اور مختلف زاویوں کی وجہ سے آتا ہے۔ ترقی و خوشحالی میں نشاۃثانیہ کے اہم کردار کی وجہ سے قدیم اور جدید مؤرخین نے نشاۃثانیہ کی تحریکوں اور ان کے زوال کی تشریح کرنے کی کوششیں کی ہیں،اور آج تک اس پر کام جاری ہے۔اس سلسلے میں وہ نشاۃثانیہ کو چار مراحل میں تقسیم کرتے ہیں:

1- قدیم تہذیبیں؛ جو مختلف علاقوں میں پروان چڑھیں،ان تہذیبوں نے ایسے نقوش چھوڑے جن میں اکثر اب تک زیر تحقیق ہیں، جیسے مصری تہذیب، سومری تہذیب،اشوری، بابلی، فارسی، یونانی تہذیبیں وغیرہ۔سب سے آخر میں رومی تہذیب آئی جو بحیرہ روم کے علاقوں میں پھیلی ،اس تہذیب نے بحیرہ روم کو رومی جھیل بنادیا، مگر اس تہذیب کی زندگی کا پہیہ بھی چلتے چلتے بالآخر پانچویں صدی عیسوی میں رک گیا۔

2-ازمنۂ وسطیٰ(Middle Ages)؛ یہ دور ترقی یافتہ اقوام کی فہرست میں ایک نیا اضافہ ہو جانے کی وجہ سے ممتاز مقام کا حامل ہے۔ یہ نیا اضافہ اسلامی تہذیب کا تھا،جو مشرق میں سورج کی طرح طلوع ہوئی، جس کی شعاعیں مشرق میں چین سے لے کر مغرب میں بحرِ اوقیانوس تک کرۂ ارض کے ایک بڑے حصے تک پہنچ گئیں،اور یورپ کو چیرتے ہوئے اسپین (اندلس) کے علاقوں کو فتح کرتی فرانس کی حدود تک پہنچ گئیں۔ جبکہ اسی زمانے میں یورپ کئی صدیوں سے گھپ اندھیروں میں زندگی گزار رہا تھااور ان ادوار میں یورپ شدید بھوک وافلاس، وباؤں اور فقر وغربت اور ظلم وجبر کا سامنا کرتا رہا۔ یہ حالات سولھویں صدی کے اوائل تک رہے، جب طاقت کے پلڑے یورپ اور اس کی سرمایہ دارانہ تہذیب کے مفاد میں جھکنے لگتے ہیں، جو کلیسا اور اس وقت کے دانشوروں کے درمیان خونریز جنگ کے نتیجے میں وجود پذیر ہوا۔

3- اٹھارویں صدی کے آتے ہی برطانیہ میں شاندار انقلاب(Glorious -1688-89 Revolution) کا خاتمہ ہوا، جس کے نتیجے میں بنیادی سیاسی تبدیلی رونما ہوئی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جمہورت اور سرمایہ دارانہ نظام کی داغ بیل پڑی، برطانیہ سے شروع ہونے اور پھر پورے یورپ اور امریکہ کو اپنی لپیٹ میں لینے والے اس انقلاب کے دوران صنعتی دنیا میں داخل ہونے کے لیے اقتصادی اقدامات کے منصوبے وضع کیے گئے۔ اسلامی تہذیب کا معاملہ اس سے مختلف تھا، اس تہذیب کو سیاسی اور مالیاتی بحرانوں کے ٹوٹ پڑنے اور یورپی ریاستوں کی طرف سے مختلف طرح کے دباؤ ڈالنے کے سبب سخت حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، معاملہ اس نہج پر پہنچ گیا تھا کہ اسلامی ریاست کی نمائندگی کرنے والے ترک عثمانیوں کو" یورپ کا مرد بیمار "کہا جاتا تھا۔ اس دور کی خصوصیت یہ تھی کہ یورپ میں فکری لہر اُٹھی جس میں بہت سے سماجی تصورات کو اپنایا گیا، یہ تصورات یورپی معاشرے کے لیے جدید سمجھے جاتے تھے، جیسے ریاست کا تصور، حکمران اور رعایا کے درمیان تعلقات، معاشرتی اقدار، شہریت کے حقوق، ملکیتیوں کے قوانین، تقسیم دولت اور ٹیکس کا نظام وغیرہ۔

4- بیسویں صدی میں بڑی جغرافیائی سیاسی تبدیلیاں رونما ہوئیں، جن میں نمایاں ترین تبدیلی 1924ء میں سلطنت عثمانیہ کا سقوط اور کئی صدیوں پر محیط رہنے والی اسلامی تہذیب و ثقافت کا شدید زوال تھا، یہ وہ تہذیب تھی جس نے انسانوں کو ایک منفرد طرزِ زندگی پیش کیا تھا۔ اس تہذیب نے باقی انسانی تہذیبوں کے بالمقابل طویل عرصے تک اپنے تسلسل کو برقرار رکھنے کی شاندار صلاحیت کا مظاہرہ کیا تھا۔ لیکن زندگی کے قوانین کے تقاضوں کے پیشِ نظر مغربی تہذیب اور اس کے سیاسی و اقتصادی منصوبوں کا پلڑا بھاری ہوا اور جنگ عظیم دوئم کے بعد آنے والے عشروں میں دنیا بھر میں اس کا ہی راج قائم رہا۔ اسی دوران اشتراکیت کے افکار نمایاں ہوئے اور پھر اس کی ریاست کا ظہور ہوا، لیکن وہ سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی کے حاملین سے ہونے والے سیاسی مقابلے کو برداشت نہ کر سکی اور تمام تر سیاسی مزاحمت کے باوجود اس کی زندگی تھوڑی رہی اور بالآخر اپنا وجود کھو بیٹھی۔ سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی مسلسل حاوی رہی باوجود یکہ اس کی فکری اساس میں بہت کمزوریاں تھیں جنہوں نے معاشرے، انسان اور انسانی اقدار میں ایسے بحران جنم دیے جن کی نظیر انسانیت نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔

تہذیبوں کے اُٹھ کھڑے ہونے اور ان کی زوال پذیری کی متعدد تشریحات کی گئی ہیں، بعض نے کہا کہ یہ ایک ناگزیر امر ہے، کیونکہ ہر ابتداء کی ایک انتہاء بھی ہوتی ہے۔ جرمن فلسفی اسپنگلر (وفات 1936ء) اس نقطۂ نظر کے بانیوں میں سے ہے، کہتا ہے: "ہر تہذیب کا اپنا ذاتی انجام ہوتا ہے، اور ہر تہذیب اپنی پیدائش، عروج اور زوال کے مراحل سے گزر کر رہتی ہے۔ ان کے خیال میں مغربی تہذیب جس کا ظہور انیسویں صدی میں یعنی سرمایہ داریت کے قیام کے دور سے ہوا، زوال کے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے، جبکہ جاگیر داریت کا دور اس کے عروج اور بہار کا زمانہ تھا"[1]۔ اس کے بالمقابل برطانوی تاریخ دان و فلسفی ٹوئن بی (وفات 1975ء) نے داخلی اور بیرونی چیلنجوں پر توجہ مرکوز کی، اس کی نظر میں یہ چیلنجز پیداوار کے ذرائع کو بروئے کار لانے میں فعال کردار ادا کرتے ہیں، جو معاشرے میں توانائی پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں، اس کی قیادت بیدار اشرافیہ کرتی ہے، اور وہ معاشرے کے عمومی مفادات کی خاطر اس سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ وہ کہتا ہے: "تاریخِ عالم ترقی اور زوال کے بڑے بڑے مراحل سے گزرتی ہے، یہ مراحل مختلف تہذیبوں کے مجموعی اور حتمی نتائج ہوتے ہیں، جو انہی مراحل سے گزرتے ہیں: یعنی ان کی پیدائش، نشو و نما، سقوط، تحلیل اور بالآخر انہدام اور تباہی"[2]۔ ٹوئن بی مزید لکھتا ہے: تہذیب کے سقوط کے پیچھے کارفرما اسباب کا خلاصہ یہ ہے کہ منتخب ٹولہ لگاتار پیش آئے ہوئے چیلنجز کا مقابلہ کرنے میں بے بس اور متبادل پیش کرنے سے قاصر ہو کر بیٹھ جائے، آگے کہتا ہے: "کسی بھی معاشرے کی تاریخ میں جب تخلیق کار اقلیت طاقت کے بل بوتے پر مرکزِ سلطنت پر قابض ہونے کی کوشش میں ایک مسلط شدہ اقلیت کے درجے تک آ گرتی ہے، جبکہ یہ گروہ اس مرکز کی اہلیت سے عاری ہوتا ہے، تب حکمران عناصر کے مزاج میں یہ تباہ کن تغیّر محنت کش طبقے (اکثریت) کو اس طبقے سے علیحدگی، اس کی من مانیوں سے جان چھڑانے اور اس میں گھل ملنے اور اس کی پیروی سے پسپائی کے لیے اُبھارتا ہے۔ یوں ایک ہی معاشرے میں، جس کا وجود اپنی ثقافتی ترقی کے دور میں اپنی ذات میں اس قسم کی گہری تقسیم سے بچا ہوا ہوتا ہے، مزاحمت کار طبقہ تہذیب کے سقوط کا کام کر دیتا ہے"[3]۔ جرمن فلسفی ہیگل (متوفی 1831ء) جو انقلاب فرانس کے دور کا آدمی تھا، جس کی فکری تربیت پر ڈیکارٹ کی فرانسیسی عقلیت پسندی، ہیوم کے برطانوی فلسفۂ تجربہ (empiricism) اور جرمن فلسفہ جیسے فلسفیانہ مکاتبِ فکر کی واضح چھاپ تھی، وہ اپنے فلسفی منصوبے کے پیش کردہ افکار کے ساتھ رونما ہوا۔ اس کے فلسفیانہ منصوبے کی بنیاد اس مفروضے پر کھڑی ہے کہ: تضاد ہی تمام مظاہر

اور اشیاء کی اصل ہے، اور یہ مقابلہ و مزاحمت ہی ہر ترقی و فروغ کا سرچشمہ ہے"۔ پس نشاۃ ثانیہ اور زوال ایسے دو حادثے ہیں جو ایک مجموعی فارمولا کے ضمن میں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتے، جہاں واقعات اور حالات کی کشمکش جاری رہتی ہے، جس کے نتیجے میں ایک حرکت پیدا ہوتی ہے جو نئے حالات کا پیش خیمہ بنتی ہے۔

مغرب کی فلسفیانہ پیداوار پر ہیگل کا بڑا اثر ہے، بالخصوص اس کے جدلیاتی نظریہ (conflict transformation theory) کے بہت سے لوگ پیروکار ہیں، انہی میں سے جاپانی نژاد امریکی مفکر "فرانسس فوکویاما" بھی ہے جس نے اپنی کتاب "The End of History and the Last Man" کی اشاعت کے بعد شہرت پائی، جس میں اس نے مغربی تہذیب بالعموم اور بالخصوص امریکی تہذیب کی ترویج کی کوشش کی ہے۔ اس کے خیال میں لبرل جمہوریت اور آزاد منڈیوں کی مغربی سرمایہ داریت کے پھیلاؤ کے بعد انسانی تہذیب کا ارتقاء اپنی انتہاء کو پہنچ چکا ہے اور یہ ہی انسانی حکمرانی کی حتمی شکل ہے۔ اس کے نزدیک اس کی وجہ لبرل ازم کا ترقی کی بلند ترین سطح تک پہنچ جانا ہے، اس مقام پر ہوتے ہوئے لبرل ازم کو اپنے مادی و سائنسی وسائل پر بھروسہ حاصل ہو گیا ہے، اور اسی وجہ سے باقی اقوام امریکی تجربے کو اپنانے کی مسلسل کوشش میں لگی ہوئی ہیں۔ پس سرمایہ دارانہ تہذیب نے، جس کی نمائندگی مغرب کر رہا ہے، زندگی کے لیے متعین تصور اپنایا ہوا ہے، اور وہ پوری دنیا کو اسی تصور کے رنگ میں رنگنا چاہتا ہے۔ ہنٹنگٹن کے بقول "وہ خصوصیات جو معاشرے کو مغربی بناتی ہیں، اس کے برعکس، خاص ہیں: کلاسیکی میراث، عیسائیت، چرچ اور ریاست کی علیحدگی، قانون کی حکمرانی، سول سوسائٹی"[4]۔ یہ چند نمونے ہیں جن پر اس اعتبار سے خاص طور سے توجہ رکھی گئی کہ یہ بیانیے تاریخ دانوں اور دانشوروں کے درمیان رائج ہیں۔ مذکورہ بیانیوں کے حوالے سے بحث کے لیے، سب سے پہلے نشاۃ ثانیہ اور اس کو جنم دینے والے اسباب کا ذکر ضروری ہے۔

النهضة (نشاۃ ثانیہ) کیا ہے؟

لغوی تعریف:

النهضة (نشاۃِ ثانیہ) عربی لفظ ہے اور یہ فعل نهض سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں کھڑا ہونا اور سیدھا ہونا۔ عربی لغت کی کتاب "لسان العرب" میں ہے: کہ نهض: نهوض سے ہے، جس کے معنی ایک جگہ سے کھڑا ہونا کے ہیں، نَهَضَ، يَنهَضُ، نُهُوضاً کا معنی ہے "کھڑا ہونا"۔ اسی سے انتهض القوم ہے، یعنی "لوگ جنگ کے لیے کھڑے ہوگئے"۔ النهضة کا معنی ہے، قوت، طاقت۔ مكان ناهض یعنی "اونچی جگہ"۔

اصطلاحی تعریف:

النهضة (نشاۃ ثانیہ) کی اصطلاحی تعریف کچھ یوں کی جاتی ہے کہ یہ معاشرے کا پہلی حالت سے بہترین حالت کی طرف منتقل ہونا ہے[5]۔ یہ اصطلاحی معنی ہی دانشوروں اور مفکرین کے درمیان عام اور مشہور ہے۔ اس سے قبل عربوں نے اس کو ان معنوں میں استعمال نہیں کیا جو جدید دور میں اس کے معنی لیے جاتے ہیں۔ اسی بنا پر النهضة (نشاۃ ثانیہ) کے بارے میں گفتگو اس کی اصطلاحی معنوں کے تناظر میں کی جاتی ہے، اس کے لغوی معنی کو صرف اس وقت ہی دیکھا جا سکتا ہے جب اس کو مراد لینے کا کوئی قرینہ پایا جائے۔

النهضة (نشاۃ ثانیہ) کی بحث میں اہم ترین سوال یہ ہے کہ وہ معاشرے کی حالت کی تبدیلی یا منتقلی کے کون سے عوامل ہیں جن کی تنفیذ سے تبدیلی یا انتقال پیدا ہوتا ہے جو معاشرے میں النهضة (نشاۃ ثانیہ) کے پائے جانے سے تعبیر ہے۔ ایک ترقی یافتہ اور زوال یافتہ معاشرے کے درمیان کیا فرق ہے؟ اور وہ کیا پیمانہ ہے جس کی بدولت ہم درست نشاۃ ثانیہ اور غلط نشاۃ ثانیہ کے درمیان فرق کر سکتے ہیں؟۔ ان سوالات کا جواب حاصل کرنے کے لیے مذکورہ اصطلاح اور اس کی تحقیق کے بنیادی مقصد کا تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔

بلا شبہ النهضة (نشاۃ ثانیہ) کے موضوع کی اہمیت میں انسانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، تو یہ وہ طبعی حالت ہے جو اس کائنات میں ان کی فعالیت پر دلالت کرتی ہے۔ انسان اپنے معاشی حالات کی بہتری، سیاسی و معاشرتی استحکام اور معاشرے کو ترقی سے ہمکنار کر دینے والی اقدار اپنانے کے لیے مسلسل کوشش و جدوجہد میں لگے رہتے ہیں۔ چونکہ گفتگو معاشرے کی ترقی کے حوالے سے ہے، اس لیے پہلے معاشرے کی تعریف ضروری ہے تاکہ جس کی

ترقی مطلوب ہے، اس کی حقیقت پہچان لی جائے۔ پس معاشرہ افراد کا مجموعہ ہوتا ہے جو دائمی تعلقات میں بندھے ہوتے ہیں، کیونکہ یہ معلوم ہے کہ دائمی تعلقات کے بغیر، جو ان کو مسلسل انداز میں جوڑے رکھتے ہیں، لوگوں کا مجموعہ معاشرہ کی شکل اختیار نہیں کرتا۔ انہی تعلقات کی موجودگی ہی وہ معیار ہے جس کی بنیاد پر کسی معاشرے کی موجودگی یا عدم موجودگی کے بارے میں فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ پس دائمی تعلقات ہی وہ حقیقی آئینہ ہے جس کے اندر معاشرے کی حقیقت جھلکتی ہے۔ حافظ صالح کے مطابق: "یہی تعلقات لوگوں کی زندگی کو منظم کرتے ہیں اور انہی تعلقات کے ذریعے رسم و رواج کو پہچانا جاتا ہے، انہی تعلقات کے چلن، لوگوں کے اپنے تعلقات نبھانے اور لوگوں کے مفادات سے ہی کسی معاشرے کے بارے میں ہم فیصلہ دے سکتے ہیں کہ وہ ایک صالح معاشرہ ہے"[6]۔

یہ تو اس معاشرے کے بارے میں جس کا تعلق دائمی تعلقات سے ہے، جہاں تک فرد کی بات ہے، تو وہ اپنے رویے کی وجہ سے ہی الگ شناخت پاتا ہے، اور انسان کے رویے پر فیصلہ ہی وہ واحد شے ہے جس سے ترقی اور زوال کے اعتبار سے ایک فرد کی حقیقت تک رسائی ممکن ہے۔ کسی فرد کے لیے کسی دوسرے شخص کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا صرف اس کے رویے اور ضروریات کی تکمیل کے لیے اس کے مجموعی اعمال کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ ناجح یوسف کے مطابق: "اس لیے ہم لوگوں کے رویوں اور اعمال کی بنا پر ان کو ترقی یافتہ یا انحطاط سے دوچار کہہ سکتے ہیں، اور یہ تعریف کسی کمی بیشی کے بغیر اس کی حقیقت پر لاگو ہوگی"[7]۔ اور اسی بنا پر انسان کے رویوں کی جڑ تک پہنچنے کیلئے ان کو تشکیل دینے والے بنیادی محرکات اور اعمال کی بنیاد کی پہچان ایک لازمی امر تصور کیا جاتا ہے۔ عقلی طور پر یہ معلوم ہے کہ انسان اپنے افکار کی بنیاد پر اعمال انجام دیتا ہے، اور انسان کوئی بھی کام صرف اسی وقت انجام دیتا ہے کہ جب اس کے ذہن میں اس کام پر ابھارنے والی سوچ پائی جائے۔ کہا جاتا ہے کہ سلک الشخص مسلکاً یعنی "اس نے کام طریقے سے انجام دیا"۔ رویّہ یا برتاؤ (سلوک) ہی انسان اور اس کے اعمال کو چلاتا ہے۔ محمود الخالدی نے اس کی تعریف یوں کی ہے: "انسان کے اعمال جو وہ اپنی جبلتوں اور جسمانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے انجام دیتا ہے، سو وہ حتمی طور پر انہی رجحانات کے مطابق چلتا ہے جو تکمیلِ ضروریات کے لیے اس کے اندر موجود ہوں"۔ مزید کہا: "بلاشبہ انسان کا رویہ زندگی کے بارے میں اس کے تصورات کے ساتھ مربوط ہے"۔ اس کا مقصود معنی یہ ہے کہ کسی مخصوص خواہش کی

تکمیل کے ارادے کے وقت فرد دو بنیادی سوالات کا سامنا کرتا ہے، پہلا سوال چیزوں اور ان کی حقیقت سے متعلق ہے۔ دوسرا انسان کے رویوں اور عمل کرنے پر رضامندی یا جھجک سے متعلق ہے۔

تو اگر ہم بھوک کی حالت کی مثال لیں، تو پہلا سوال جو کسی بھی انسان کے ذہن میں پہلے آتا ہے، خواہ وہ کوئی بھی عقیدہ رکھتا ہو، یہ ہے کہ جو شے وہ کھانا چاہتا ہے، کیا وہ اس کی پیٹ کی بھوک مٹا دے گی؟ یہاں زندگی سے متعلق نقطہ نظر سے قطع نظر، اس سے متعلق اکثر انسانوں کا جواب ایک ہی ہوتا ہے۔ لیکن دوسرے سوال کا جواب جو اس شے کے ذریعے اپنی بھوک ختم کرنے سے متعلق ہے، تو یہ شے کی ذات سے خارج، ایک الگ امر ہے، اور یہ انسان کی ذات سے بھی خارج، ایک الگ امر ہے۔ گویا اس سوال کی وجہ وہ چیز یا انسان کی ذات نہیں بلکہ یہ کسی ایک یا متعدد قواعد کی طرف رجوع کرنے کا تقاضا ہوتا ہے، جن کو انسان نے اپنے اعمال کے لیے کسوٹی اور ایک پیمانے کے طور پر اپناتا ہے، یعنی اس کام کے کرنے یا اس سے رُکنے کا فیصلہ، اس کام کیلئے زندگی کے بارے میں نقطہ نظر کی طرف رجوع سے پیدا ہوتا ہے۔ پس جب انسان کو پتہ چلے کہ اس کھانے میں اس پیمانے یعنی اس کے نظریہ حیات کے خلاف کوئی بات پائی جاتی ہے جس کی طرف اس نے رجوع کیا ہے، مثلاً اسے معلوم ہو جائے کہ وہ کھانا ناپاک ہے یا خنزیر کا گوشت ہے یا اس کے مالک نے اس کو کھانے کی اجازت نہیں دی ہے، تو اس کی رغبت و خواہش کے باوجود وہ اس سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے اور اس میلان سے دور رہنے کی کوشش کرتا ہے۔

یہ اصول کسی بھی چیز پر لاگو ہو سکتے ہیں، چاہے وہ جسمانی ضروریات ہوں مثلاً کھانا پینا یا جبلی ضروریات ہوں جیسے جبلتِ تدین، جبلتِ بقا اور جبلتِ نوع۔ اس طرح ہم ایک اہم نتیجے تک پہنچتے ہیں کہ انسان کے سب اعمال ان پیمانوں اور قواعد کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں جن پر وہ ایمان لایا ہے اور جن کو اس کا نظریۂ حیات یعنی عقیدہ متعین کرتا ہے۔ اسی طرح زندگی کے بارے میں اس کا تصور اس کے تمام اعمال کے کرنے یا نہ کرنے کے اعتبار سے ایک رُخ متعین کرتا ہے، خواہ وہ عمل بنیادی ہو یا فروعی، چھوٹا ہو یا بڑا، اہم ہو یا غیر اہم۔ چنانچہ اس کا عقیدہ ہی اس کے افکار اور زندگی سے متعلق اس کے تصورات کے لیے بنیادی قاعدہ ہے، اسی سے اس کے تمام نظام ہائے حیات پھوٹتے ہیں، اسی

سے وہ زندگی کے لیے ایک زاویہ نظر سیکھتا ہے، اسی سے وہ ضابطے اور پیمانے لیتا ہے جن کے ذریعے وہ عمدہ اور گھٹیا یا ردّی اور کارآمد کے درمیان تمیز کرتا ہے۔

اس بنیاد پر ایک انسان کے بارے میں اس کے اعمال پر فیصلہ دینا، حقیقت میں اس کے افکار کے بارے میں فیصلہ دینا ہے جن پر وہ ایمان لایا ہے اور ان پیمانوں کے بارے میں اور نظریۂ حیات کے بارے میں فیصلہ ہے جن کو اس نے اپنے لیے اختیار کیا ہے۔ ان افکار پر حکم ایسے ضابطوں اور عقلی قوائد کا تقاضا کرتا ہے جن کو حکم جاری کرنے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ افکار کی اصل وہ فکری بنیاد ہے جسے انسان نے اس دنیا میں اپنے امور چلانے کے لیے اساس بنالیا ہے۔ اس بنا پر ایک انسان کے رویے میں تبدیلی کی رغبت ہی ان اساسی تصورات کی تبدیلی ہے، کہ ان کو جڑ سے تبدیل کیا جائے اور اس کے جگہ دوسرے صحیح افکار رکھے جائیں۔ یہ تو تھا فرد سے متعلق، جہاں تک معاشرے کی بات ہے تو اس کی خصوصیت دائمی تعلقات ہیں جو افکار، احساسات اور نظاموں سے استوار ہوتے ہیں، یہی تین عوامل ہیں جو اپنی موجودگی اور ساخت کی بنا پر ایک منفرد معاشرے کو وجود بخشتے ہیں۔

پس اسلامی معاشرہ ایک انسانی وجود ہے جو افکار، احساسات اور نظاموں پر مشتمل منفرد طرزِ زندگی کو اپناتا ہے، اور اس میں ہر لحاظ سے روحانی پہلو اسلامی عقیدے کے ساتھ مربوط ہوتا ہے۔ لہٰذا فرد اور اسلامی معاشرے کی زندگی میں ہر جزوی مسئلے کے لیے اسلام نے ایسا حل بتایا ہے جو اطمینان بخش زندگی پر منتج ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر غربت کے مسئلے کو اسلام کیسے حل کرتا ہے؟ اس کے لیے اسلام شرعی احکامات کا ایک مجموعہ نافذ کرتا ہے جن کے ذریعے معاشرے میں دولت کی تقسیم سے متعلقہ امور کو منظم کیا جاتا ہے، چنانچہ زکوٰۃ اور اوقاف کے ذریعے وسائل کی منصفانہ تقسیم، ذخیرہ اندوزی کی ممانعت اور سونے چاندی کے ساتھ کرنسی کا ربط وغیرہ وہ احکامات ہیں جن کے نفاذ سے ہم غربت اور غریبوں سے خالی معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں۔ دائمی تعلقات کے ڈھانچے میں جہاں محافظ سیاسی نظام اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ وہ تعلقات ایک ہی سرچشمہ سے نکلتے ہوں، ایسے دائمی تعلقات افراد اور نظاموں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کا کام کرتے ہیں، جیسے سب کے سب ایک ہی کشتی کے مسافر ہوں، عبداللہ العروی نے فطری

ریاست کی تعریف کرتے ہوئے یہی تعبیر کی ہے کہ: "یہ وہ ریاست ہے جس کے افراد اور نظام ایک ہی منہج اور طریقے پر گامزن ہوں"۔

معاشرے کی اس حالت پر تشریح کرنا حقیقی تشریح کہلاتی ہے، تو جب ایک معاشرے میں عرف عام اور نظام کے درمیان ہم آہنگی نظر آئے یعنی افکار اور احساسات نظام کے ہم جنس ہوں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ معاشرہ ہم آہنگ معاشرہ ہے، اور اس میں حکمران اور رعایا کے درمیان مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ یورپ میں نشاۃ ثانیہ کے دور میں یہی کچھ ہوا جب نظام اور لوگوں کے افکار و احساسات کے درمیان ہم آہنگی حاصل ہوئی۔ برطانیہ میں جہاں یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے اولین مناظر اور ابتدائی آثار کا ظہور ہوا، "مقدس انقلاب" کے بعد سب معاملات تیز تر ہوتے رہے، تو مقدس انقلاب کے آتے ہی اس سے ایک ایسا سیاسی نظام برآمد ہوا جس سے صنعتی انقلاب کے لیے بنیاد رکھی گئی[8]۔ اسی طرح امریکہ اور فرانس کا معاملہ تھا۔ چنانچہ افکار، احساسات اور نظاموں کے حوالے سے حکمران اور رعایا کے درمیان ہم آہنگی معاشرے کو دولت کے سرچشموں کو ڈھونڈنے اور اس کو بڑھاوا دینے کا کام کرتی ہے، اس سے وہ حکمتِ عملی وضع ہو جاتی ہے، جو اقتصادی، معاشرتی اور تعلیمی معاملات کو چلانے کی قابلیت رکھنے والے بالادست اداروں کے قیام کے ذریعے معاشرے کو یکسر تبدیل کر دینے کے قابل بنا دیتی ہے۔

جہاں تک بات ہے منتشر تعلقات، پراگندہ افکار، ناموافق احساسات، نظام سے متنفر اور اس کو درہم برہم کرنے پر تلے ہوئے معاشرے کی، تو ایسے معاشرے کو انارکی میں مبتلاء معاشرہ کہا جاتا ہے، کیونکہ ایسے معاشرہ حکمران اور عوام کے درمیان تنازعات کی وجہ سے ترقی کی طرف گامزن نہیں ہو سکتا۔ اس معاشرے کے افراد حکمرانوں سے بدکے ہوئے رہتے ہیں اور ان کے اندر انا اور خود غرضی کے جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس بنا پر ایک نشاۃ ثانیہ پر گامزن انسان وہ ہے جس کے رویے ایک ہی کُلی فکر سے پھوٹتے ہیں۔ نشاۃ ثانیہ پر گامزن معاشرہ وہ ہے جس کے تمام تعلقات ایک واحد فکری قیادت سے اخذ ہوتے ہیں۔ زوال کا شکار انسان وہ ہے جس کے رویوں کا ماخذ منتشر ہے، یہی کچھ زوال پذیر معاشرے کے بارے میں بھی کہا جائے گا۔ نتیجہ یہ ہے کہ معاشرے کو نشاۃ ثانیہ کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے اس انتشار کی جگہ ایک ہی فکری سرچشمہ کو رکھا جائے یا ایک ہی فکری قیادت اور بنیاد اختیار کی جائے جو اس کو نشاۃ ثانیہ کی

راہ دکھائے۔ اور وہ فکری قاعدہ کیا ہے؟ وہ ایک آئیڈیالوجیکل فکر ہے جو کائنات، انسان اور حیات کی حقیقت سے متعلق جواب فراہم کرتا ہے۔ کائنات، انسان اور حیات سے متعلق جوابات تین سے زیادہ نہیں ہو سکتے:

1- اس کائنات کا ایک خالق ہے جس نے اس کا نظام بنایا ہے۔
2- خالق تو ہے مگر اس کے دیے ہوئے ضابطوں کا زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔
3- خالق کا وجود ہی نہیں۔

ان تین جوابات سے تین مبادی (آئیڈیالوجیز) وجود میں آئیں۔ اسلام کی آئیڈیالوجی کہتی ہے کہ کائنات کا خالق ہی کائنات کے نظام کو چلاتا ہے۔ سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی سیکولرازم کے ذریعے دین کی زندگی سے جدائی کا عقیدہ رکھتی ہے، جبکہ سوشلزم دین کو اقوام کے لیے افیون قرار دیتا ہے۔

ان آئیڈیالوجیز پر گہری نظر رکھنے والا دیکھتا ہے کہ ان سب نے نشاۃ ثانیہ حاصل کی، بھلے سرمایہ داریت اور اشتراکیت (سوشلزم) کی ترقی نسبتی ہے، جس کی ایک بنیادی وجہ ہے کہ ان دونوں آئیڈیالوجیز نے فکری قیادت کی صحت کا التزام نہیں کیا۔ فکری قیادت کی صحت کا مطلب کیا ہے؟ یہ کہ وہ فکر فطرت سے ہم آہنگ اور عقل کو قائل کرنے والی ہو۔ تو کسی بھی نشاۃ ثانیہ کے بارے میں صحت یا عدم صحت کا حکم لگانے کے لیے یہ دونوں شرطیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں (یعنی فطرت سے ہم آہنگی اور عقل کو قائل کرنے والا ہونا)، اگرچہ یہ ممکن ہے کہ نشاۃ ثانیہ حاصل تو ہو جائے لیکن درست نہ ہو۔ جہاں تک اسلام کی بات ہے تو وہ ان تینوں آئیڈیالوجیز میں سے ایک منفرد دین اور ائیڈیالوجی ہے جس کے پاس کائنات کی حقیقت کے حوالے سے وہ جوابات ہیں جو انسانی فطرت اور اس کی عاجزی کے مطابق ہیں۔ اسلامی آئیڈیالوجی انسان کی فکر پر پابندی نہیں لگاتی بلکہ یہ انسان کو فکرِ مستنیر اور نتیجہ خیز سوچ کی کشتی میں بیٹھ کر اپنی عقل کے ساتھ کائنات کے سمندروں میں تیرنے کی راہ دکھاتا ہے، یوں وہ امن وراحت کی ساحل پر پہنچ جاتا ہے، یوں یہ فکر مستنیر انسان کو اور اسلامی عقیدے کو اپنانے والے معاشرے کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ اپنی تخلیق کے سبب اور مقصد کو سمجھ سکے۔ اسی وجہ سے ایک فکر کی حیثیت سے اسلام مختصر عرصے میں جزیرہ نما عرب اور دنیا کے نقشے

کو تبدیل کرنے کے قابل ہوااور کرۂ ارض کے آخری کونوں تک جا پہنچا، اور ایک ایسی تہذیب کو جنم دیا جس کی نظیر انسانیت نے نہیں دیکھی تھی، اس کے پاس وہ فکری اور فقہی و سائنسی خزانے ہیں جن کی وجہ سے وہ ہر زمانے میں تمام ثقافتوں میں اولین رہا ہے۔

جاری ہے۔۔۔

حوالہ جات:

[1] - The Philosophical Encyclopedia – on Spengler.
[2] - The Philosophical Encyclopedia – on Toynbee.
[3] - Quoted from: Imad al-Din Khalil - Islamic Interpretation of History - pg. 84.
[4] - Huntingdon, S. (1993). The Clash of Civilizations.
[5] An-Nahda - Hafiz Saleh, p. 5
[6] An-Nahda - Hafiz Saleh, p. 8
[7] Concepts of Islamic Renaissance - Sabateen, Najah Yusuf, p. 14
[8] Why nation fail p.100

فہرست

حکمرانی محض سیاسی طاقت یا فوجی سروس میں ایکسٹینشن کیلئے نہیں، نہ ہی ذاتی مفاد کے حصول کا ذریعہ ہے، بلکہ یہ ایک مقدس امانت اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کی عبادت ہے

ولایہ پاکستان میں حزب التحریر کا میڈیا آفس

پاکستان کے مسلمانوں نے پاکستان کی سیاسی اور عسکری قیادت کے درمیان حالیہ طاقت کی لڑائی کو نفرت کے ساتھ دیکھا، اور وہ حیران ہیں کہ کیا پاکستان کے حکمرانوں کو عوام کی بھی کچھ پرواہ ہے یا وہ محض اپنے مفادات کے اسیر ہیں۔ لیفٹیننٹ جنرل فیض حمید کو آئی ایس آئی کے سربراہ کے عہدے سے ہٹانے کے عمل نے عمران خان کی سیاسی طاقت کو خطرے سے دوچار کر دیا۔ پاکستان کے مسلمانوں اور مسلح افواج کی شدید ناراضگی کے باوجود جنرل فیض اور اسٹیبلشمنٹ نے عمران خان کا ڈھٹائی اور بے حسی کے ساتھ بھرپور ساتھ دیا۔ ایک متکبر، ضدی اور ہر صورت طاقت سے چمٹنے کے شوقین عمران خان نے مایوسی میں جنرل فیض کی برطرفی کو روکنے کے لیے اناڑی پن کے ساتھ موجودہ ناکام نظام میں ہاتھ پیر مارنے کی کوشش کی۔ ہم طاقت کے ایوانوں میں اس قسم کی کشمکش پہلی بار نہیں دیکھ رہے ہیں۔ سیاسی اور عسکری رہنماؤں، دونوں نے آئین اور قوانین کو کئی کئی بار تبدیل کیا تاکہ وہ اقتدار سے چمٹے رہ سکیں، دولت جمع کریں اور اپنی سروس کی مدت میں توسیع حاصل کریں۔ مسئلہ کی جڑ یہ ہے کہ موجودہ نظام میں قوانین بنانے کا حق انسانوں کے ہاتھ میں ہے۔ یہ حق جمہوریت اور آمریت دونوں کی بنیاد ہے، فرق صرف یہ ہے کہ جمہوریت میں قوانین منتخب نمائندوں کی اکثریت کی مرضی سے بنتے ہیں جبکہ آمریت میں ایک ڈکٹیٹر قانون کا فیصلہ کرتا ہے۔ طاقت کی اس جدوجہد کی وجہ سے ہم موجودہ نظام میں اس قسم کی صورتحال کا بار بار مشاہدہ کرتے ہیں۔ سیاسی اور عسکری دونوں رہنما اقتدار اور ناجائز دولت کے عزائم کے حصول کے لیے قوانین بدلنے کی طاقت کا بھرپور استعمال کرتے ہیں۔

حکمرانی اسلام میں ایک مقدس امانت اور اللہ کی عبادت ہے۔ اسلام میں حکمران اسلام کے نفاذ کے ذریعے لوگوں کے معاملات کی دیکھ بھال کا پابند ہے۔ اسلام حاکم کو اپنی مرضی اور خواہشات کے مطابق حکمرانی کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ اس کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم کے مطابق حکمرانی کرنے کا حکم دیتا ہے، اور حکمران اپنی حکمرانی کے حوالے

سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہے۔ ابوذرؓ کی حاکم بننے کی درخواست کے جواب میں، رسول اللہ ﷺ نے خبردار کیا، **يَا أَبَا ذَرٍّ إِنَّكَ ضَعِيفٌ وَإِنَّهَا أَمَانَةٌ وَإِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ إِلَّا مَنْ ناتواں ہو اور یہ امانت ہے اور قیامت کے دن اس تم! أَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَأَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ فِيهَا "اے ابوذر سے سوائے رسوائی اور شرمندگی کے کچھ حاصل نہیں مگر جو اس کے حق ادا کرے اور راستی سے کام لے۔"** (مسلم)۔

چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے عاجز، متقی آدمی کو حکمران بننے سے خبردار کیا، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ تمام چیزوں کے مطابق حکومت کرے۔ اسلام میں حکمرانی ان قابل افراد کے لیے ہے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، جبکہ صرف اسلام کے قوانین کے مطابق لوگوں پر حکومت کرنا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت ہے۔

اے پاکستان کے مسلمانو! جمہوریت ہمیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے نازل کردہ کے مطابق حکومت کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ یہ ایسے سیاسی اور عسکری رہنما پیدا کرتی ہے جو صرف اپنے اور اپنے استعماری آقاؤں کے مفادات کا خیال رکھتے ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم اس نظام کو مسترد کریں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا کی خاطر اسلام کی حکمرانی کا نظام خلافت قائم کریں۔ **اے پاکستان کی مسلح افواج کے مسلمانو!** ذاتی خواہشات کے ان غلاموں کو اپنی طاقت کا استحصال نہ کرنے دیں۔ ان کرپٹ لیڈروں کو ہٹا دو جو اپنے مفادات کے اسیر ہیں، اور اپنے لوگوں کو مصائب اور مایوسیوں سے نکال لیں۔ بے شک، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو ہماری حالت بدلنے کے قابل بنایا ہے اور وہ ضرور آپ سے ان تمام چیزوں کے بارے میں پوچھے گا جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہیں۔ نبوت کے نقش قدم پر خلافت کے دوبارہ قیام کے لیے حزب التحریر کو اپنی نصرۃ فراہم کریں اور ہمارے لوگوں کو قرآن اور مبارک سنت کی حکمرانی کی واپسی پر خوشیاں منانے کا موقع فراہم کریں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا، **وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ "اور اس دن ایمان والے خوش ہوں گے، (یعنی) اللہ کی مدد سے۔ وہ جسے چاہتا ہے مدد دیتا ہے اور وہ غالب (اور) مہربان ہے"** (الروم، 30:5-4)

فہرست

پاکستان، افغانستان اور وسطی ایشیاء پر مشتمل ایک اسلامی ریاست

عبدالرافع - پاکستان

جب افغان مجاہدین کابل میں داخل ہوئے تو مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی جبکہ امریکہ جلدی میں اپنے سفارتی عملے کو کابل سے نکال کر اپنا سفارت خانہ خالی کر رہا تھا اور افغانستان کا کٹھ پتلی حکمران اشرف غنی ملک سے فرار ہو چکا تھا۔ چند ہزار ہلکے ہتھیاروں سے مسلح مجاہدین نے تیسری استعماری طاقت ،امریکہ کے غرور کو اپنے قدموں تلے روند ڈالا، بالکل ویسے ہی جیسے اس علاقے کے مجاہدین نے برطانوی سلطنت اور پھر سوویت روس کے غرور کو خاک میں ملایا تھا۔

وقت کی سپر پاور امریکہ کے خلاف یہ فتح دراصل افغانستان اور پاکستان، دونوں میں بسنے والے مسلمانوں کی فتح ہے جو افغانستان پر امریکہ کے قبضے کے سخت خلاف تھے اور مجاہدین کی ہر ممکن مدد و حمایت کر رہے تھے۔ لیکن اس وقت پاکستان کے مسلمانوں کو افغانستان کے مسلمانوں سے جو چیز الگ کرتی ہے وہ "ڈیورینڈ لائن" (Durand Line) ہے۔ یہ وہ سرحد ہے جس کی بنیاد 1893ء میں برصغیر میں قائم برطانوی راج کے سیکرٹری خارجہ مورٹمر ڈیورنڈ (Mortimer Durand) نے رکھی تھی۔ پھر اس سرحد کو 1919ء میں برطانیہ اور افغانستان کے درمیان لڑی جانے والی تیسری جنگ کے نتیجے میں مستقل حیثیت دے دی گئی۔ اس سرحد کا قیام برطانوی راج کی جانب سے اس بات کا اعتراف تھا کہ وہ افغانستان کے علاقے کے مسلمانوں کے خلاف تین جنگیں لڑنے کے باوجود اس سرحد پار کے علاقوں کو فتح نہیں کر سکا تھا۔ لہٰذا جہاں تک وہ فتح کر سکا وہ علاقے ڈیورنڈ لائن کے ایک طرف قائم برطانوی راج کے زیر اثر آ گئے، جبکہ باقی علاقے اس سرحد کی دوسری جانب رہے، اس سے قطع نظر کہ اس سرحد کے دونوں اطراف پر پشتون مسلمان ہی آباد تھے، جن کی آپس میں رشتے داریاں تھیں۔ لہٰذا یہ اپنی نوعیت کی ایک نہایت غیر فطری اور

مصنوعی سرحد تھی۔ برصغیر کی تقسیم کے موقع پر جب برطانیہ یہاں سے نکلا تو انگریز کی کھینچی ہوئی یہ لکیر اسی طرح قائم رہی اور آج کی تاریخ تک یہ اسی طرح قائم چلی آرہی ہے۔

آج جبکہ امریکہ ایک ذلت آمیز شکست سے دوچار ہو کر افغانستان سے بھاگ اٹھا ہے اور افغانستان مکمل طور پر مسلمانوں کی اتھارٹی تلے آگیا ہے تو اس بات کا آخر کیا جواز باقی رہتا ہے کہ مسلمانوں کے دو آزاد علاقے ایک دوسرے سے جُڑے ہونے کے باوجود استعمار کی تراشی ہوئی غیر فطری اور مصنوعی سرحدوں کو اختیار کیے رکھیں؟ اسی طرح جب وسطی ایشیاء کے مسلم علاقوں کو 1991ء کے بعد سوویٹ یونین سے آزادی حاصل ہو گئی اور آج وہ مکمل طور پر مسلمانوں کی اتھارٹی کے نیچے ہیں تو آخر ایسا کیوں نہ ہو کہ پاکستان، افغانستان اور وسطی ایشیاء کے علاقوں پر مشتمل ایک بڑی اسلامی ریاست کو قائم کیا جائے، جو نہ صرف خطے میں بلکہ پوری دنیا میں ایک عالمگیر طاقت بن کر ابھرے؟

اگر ہم ان علاقوں میں موجود قدرتی وسائل کا جائزہ لیں تو جہاں ایک طرف ایٹمی صلاحیت سے لیس پاکستان اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فضل و کرم سے زراعت اور معدنیات پر مشتمل ان گنت وسائل سے مالا مال ہے، جن کو آج تک پاکستان کی کسی سیاسی یا فوجی حکومت نے صحیح معنوں میں خطے کے مسلمانوں کو مضبوط بنانے کے لیے استعمال نہیں کیا، تو دوسری جانب افغانستان کی سرزمین بھی بے شمار معدنیات اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ 14 جون 2010 کو نیویارک ٹائمز کی جانب سے شائع کردہ ایک رپورٹ کے مطابق امریکی پینٹاگون کے سرکاری اہلکاروں اور جیولوجی کے ماہرین پر مشتمل ایک گروہ نے یہ حساب لگایا تھا کہ افغانستان جس سرزمین پر موجود ہے، وہ ایک ٹریلین ڈالر کی مالیت کے معدنیاتی ذخائر کی حامل ہے۔ ان معدنیات میں لوہا، تانبا، سونا، کوبالٹ، نیوبیم اور نایاب زمینی اجزاء (rare earth elements) بھاری مقدار میں موجود ہیں۔ لیتھیم کی مقدار اس قدر پائی گئی کہ افغانستان کو "لیتھیم کا سعودی عرب" بھی کہا گیا۔

ان سب معدنیات کی موجودہ اور آنے والے دور میں اہمیت کا اندازہ ان کے استعمالات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ سونے اور لوہے کے بارے میں تو کیا کہنا، تانبے کا استعمال بجلی کی تاروں میں اور الیکٹرانکس میں ہوتا ہے۔ کوبالٹ اور

لیتھیم کا استعمال ریچارج ایبل بیٹریوں اور الیکٹرک گاڑیوں میں ہوتا ہے جبکہ نیوبیم ایک خاص قسم کے سٹین لیس سٹیل میں استعمال ہوتا ہے۔ نایاب زمینی اجزاء(rare earth elements) آپٹیکل فائر کیبل میں استعمال ہوتے ہیں ،جو جدید مواصلاتی نظام کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ تمام معدنیات وہ ہیں جن کی پوری دنیا میں اس وقت بھی اشد ضرورت ہے اور مستقبل قریب میں ان کی ضرورت میں ہوشربا اضافہ ہونے کے واضح قرائن موجود ہیں۔ افغانستان میں یہ سروے پہلے سوویت یونین نے 80 کی دہائی میں شروع کیے جب افغانستان پر اس کا قبضہ تھا۔ امریکہ کو روس کے چھوڑے ہوئے نتائج 2004ء میں کابل کی ایک لائبریری سے دریافت ہوئے۔ امریکہ نے ان تحقیقات کو آگے بڑھاتے ہوئے جدید آلات کے ذریعے افغانستان کے 70 فیصد علاقے کا سروے کیا اور پھر 2010ء میں بالآخر ان حیران کن نتائج کا انکشاف کیا۔

جہاں تک وسطی ایشیائی ممالک کی بات ہے تو 90 کی دہائی میں ترکمانستان سے لے کر پاکستان کے بحیرۂ عرب تک براستہ افغانستان، تیل کی ایک ہزار میل لمبی ایک پائپ لائن بچھائے جانے کا منصوبہ بنایا گیا تھا، جو روزانہ ایک ملین بیرل کے تیل کی ترسیل کے قابل ہوگی۔ یہ صرف ان بیش قیمت وسائل کی ایک ہلکی سی جھلک ہے جن سے یہ تمام علاقہ مالا مال ہے۔

یوں پاکستان، افغانستان اور وسطی ایشیاء کے مسلمان مل کر ایک ایسی مضبوط ریاست کو تشکیل دے سکتے ہیں، جو وسائل کے لحاظ سے خود کفیل ہوگی اور نہ صرف بھارت کے علاقائی عزائم کا خاتمہ کر سکے گی بلکہ عالمی سطح پر ایک بڑی ریاست کی شکل میں ابھرے گی۔ جس قسم کی کھلی اور ذلت آمیز شکست سے امریکہ دو دہائیوں تک مسلسل جنگ لڑنے کے بعد طالبان کے ہاتھوں دوچار ہوا ہے، تو یہ بات واضح ہے کہ اس کی افواج کے لیے مسلمانوں کی وحدت کے سلسلے میں اٹھائے گئے اس اقدام کے خلاف دوبارہ اس خطے کا رخ کرنا بعید از قیاس ہے، جیسے برطانوی راج اور سوویت روس نے افغانستان سے اپنے فوجی انخلاء کے بعد کبھی دوبارہ اس خطے میں واپس آکر قدم جمانے کی ہمت نہیں کی۔

لہٰذا جس طرح امریکہ افغانستان سے بھاگ نکلا ہے، آج ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان بھی امریکہ کو اپنے ملک سے ہر شکل میں نکال باہر کرے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ امریکہ کے ساتھ طے پائے گئے اے ایل او سی (ALOC) اور جی ایل او سی (GLOC) جیسے معاہدات کا خاتمہ کیا جائے جن کے تحت امریکہ کو پاکستان کی زمینی اور فضائی حدود استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ کیونکہ یہ حدود خطے میں امریکہ کے علاقائی ڈھانچے کو برقرار رکھنے کے لیے شہ رگ کا کام کرتی ہیں۔ جب تک پاکستان کی جانب سے امریکہ کو یہ زمینی و فضائی گزرگاہیں میسر رہیں گی، خطے میں امریکہ کی شر انگیز موجودگی برقرار رہے گی اور نتیجتاً اُس کے دوبارہ پھلنے پھولنے کی صلاحیت بھی برقرار رہے گی۔

اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ پاکستان میں امریکی سفارت خانے اور قونصل خانے کے تحت کام کرنے والے امریکہ کے حساس ادارے سی آئی اے (CIA) کے نیٹ ورکس کا ملک بھر سے خاتمہ کیا جائے۔ یہ امریکہ کی وہ آنکھیں ہیں جو دن رات چوبیس گھنٹے پوری طرح کھلی رہتی ہیں اور جاسوسی کا کام سرانجام دیتی رہتی ہیں۔ جب تک پاکستان اپنے ملک میں انہیں کام کرنے کی اجازت دیئے رکھے گا، ہماری خفیہ اور حساس فوجی اور انٹیلی جنس مواصلات کبھی بھی محفوظ نہیں رہ سکیں گی، اور یہ نیٹ ورکس امریکہ کو اس قابل بنائے رکھیں گے کہ وہ خطے میں اپنی موجودگی برقرار رکھے، جو کسی بھی طرح سے اس خطے کے مسلمانوں کے لیے نفع بخش نہیں۔

پھر مزید یہ کہ پاکستان کو امریکہ کے لیے سہولت کار کا کردار ادا کرنے سے بھی رکنا ہوگا۔ اور افغان طالبان سے ایسے مذاکرات کو بھی ترک کرنا ہوگا، جن کا مقصد محض طالبان سے امریکہ کے مطالبات منوانے کی کوشش کرنا ہے۔ مذاکرات امریکہ کا ایک پُرفریب طریقہ کار ہے جسے وہ اپنے دشمن کو نقصان پہنچانے اور اُس سے اپنے لیے مراعات حاصل کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اور وہ طریقہ یہ اُس وقت استعمال کرتا ہے جب اسے اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا حریف اس پوزیشن میں ہے کہ وہ بغیر کوئی مراعات دیے اور بغیر کوئی نقصان اٹھائے، اُس سے اپنا حق واپس لے سکتا ہے۔ اس لیے جب تک پاکستان مذاکرات میں امریکہ کی خاطر سہولت کار کا کردار ادا کرتا رہے گا، دشمن کو یہ موقع ملتا رہے گا کہ وہ گھر کے سامنے کے دروازے سے نکل کر پچھلے دروازے سے دوبارہ داخل ہو جائے۔

مسلمانوں کی طاقت کا راز کفار سے اتحاد کرنے اور اُن پر انحصار کرنے میں نہیں ہے، چاہے وہ مشرق میں روس اور چین ہوں یا مغرب میں امریکہ و برطانیہ۔ مسلمانوں کی طاقت کا راز آپسی بھائی چارے اور امتِ مسلمہ کی وحدت میں ہے، اور ایک ریاست خلافت کی شکل میں ہے جہاں مسلم علاقوں کی افواج اور ان کے مادی و معاشی وسائل، سب مجموعی طور پر ایک ریاست کی شکل میں یکجا ہوں۔ اب یہ پاکستان کے حقیقی حکمرانوں پر ہے کہ آیا وہ مغرب کے قائم کردہ قومی ریاستی ویسٹ فیلی (Westphalian) ماڈل کے ساتھ ہی چمٹے رہتے ہیں یا وہ اِس ڈیورنڈ لائن نام کی مصنوعی سرحد کو مٹا کر مسلمانوں کی قوت کو ایک ریاست خلافت تلے اکٹھا کرتے ہیں اور پھر وسطی ایشائی ممالک تک وسعت دے کر اس ریاست کو ایک عالمی طاقت کے طور پر کھڑا کرتے ہیں، جو کشمیر و فلسطین سمیت مسلمانوں کے تمام مقبوضہ علاقوں کو آزاد کرائے اور پوری دنیا میں اسلام پر مبنی عدل کی علمبردار بنے۔

فہرست

سوال وجواب: روس کے شہر سوچی میں اردگان اور پیوٹن کی سربراہی کانفرنس

(عربی سے ترجمہ)

سوال: بدھ 29 ستمبر 2021 کو روس کے شہر سوچی میں اردوگان اور پیوٹن کے درمیان ایک سربراہ اجلاس منعقد ہوا۔ ترک صدر ایک وفد کے سربراہ تھے جس میں انٹیلی جنس سروس کے سربراہ حاقان فدان اور صدارتی محکمہ مواصلات کے سربراہ فہرتین التون اور صدارتی ترجمان ابراہیم کلین شامل تھے، اس وفد میں ان کا کوئی وزیر نہیں تھا!

["یہ بات قابل ذکر تھی کہ 3 گھنٹے تک جاری رہنے والی یہ ملاقات بند دروازوں کے پیچھے ہوئی اور کریملن کے ایسے دوروں کے پروٹوکول کے برعکس، دونوں صدور نے آخر میں مشترکہ پریس کانفرنس نہیں کی۔ اس کے علاوہ دونوں صدور نے کوئی حتمی بیان بھی جاری نہیں کیا" (الاشرق الاوسط 30 ستمبر 2021)]۔ اس دورے کی وجوہات کیا ہیں؟ اور اس کے مقاصد کیا ہیں؟

جواب: مندرجہ بالا سوالات کے جوابات کے لیے ہمیں مندرجہ ذیل معاملات کا جائزہ لینا ہوگا:

1- امریکہ کے موجودہ مفادات کا مشاہدہ کرنے سے یہ واضح ہے کہ وہ اپنی کوششوں کو چین کی طرف مرکوز کر رہا ہے۔ وہ خود کو چین کیلئے فارغ رکھنے کے لئے مشرق وسطیٰ سے انخلا کا ارادہ رکھتا ہے، وہ خطے میں اپنے ایجنٹوں کو وہ کردار ادا کرنے کی ذمہ داری سونپے گا جو وہ چاہتا ہے۔ اس پالیسی پر ٹرمپ انتظامیہ کی آمد سے کچھ قبل ہی سے عمل درآمد شروع کیا گیا کیونکہ امریکی پالیسی میں تبدیلی آئی تھی۔ امریکہ چین کے گرد اپنی سیاسی اور فوجی افواج کو متحرک کر رہا تھا لہذا اس نے ترکی جیسے اپنے ماتحت ممالک کا زیادہ سے زیادہ استعمال کیا۔ اسی پالیسی کے تحت ٹرمپ انتظامیہ نے شام، لیبیا، مشرقی بحیرہ روم اور دیگر علاقوں میں ترکی کو یہ کردار دیا۔ ترکی کے لئے اس نئے کردار کے ساتھ امریکہ

نے عملی طور پر خود کو شامی بحران کے غور و خوض سے الگ کر کے اسے ترکی اور روس کا مسئلہ بنا دیا ہے۔ اس طرح آستانہ اور جنیوا میں ترک-روس مذاکرات سامنے آئے اور ترک فوج شمالی شام میں داخل ہو گئی۔

2- بعد میں ڈیموکریٹس کی جانب سے اپنائے گئے سیاسی خیالات کی وجہ سے بائیڈن دور کے آغاز کے ساتھ ہی ترکی کا یہ کردار کم ہو گیا۔ امریکی صدر بائیڈن اور ترک اردگان کے درمیان پہلی فون کال 23 اپریل 2021 کو یعنی کافی دیر سے ہوئی تھی، یعنی بائیڈن کے واشنگٹن میں صدارت سنبھالنے کے تین ماہ بعد۔ فون کال میں 14 جون 2021 کو برسلز میں ہونے والے نیٹو سربراہی اجلاس کے موقع پر دونوں ممالک کے مابین اجلاس منعقد کرنے پر اتفاق ہوا اور ان کے درمیان اختلافات کے واضح اشارے میں امریکی صدر نے ترک سربراہ سے رابطے کے ایک دن بعد ہی واضح کر دیا کہ ترکی نے جسے آرمینیائی قتل عام کا نام دیا ہے، وہ دراصل نسل کشی ہے۔ بائیڈن نے اردگان کو آپس کی فون کال میں ہی بتا دیا کہ وہ اس بات کا اعلان کرنے کا ارادہ رکھتا ہے جس کے نتیجے میں ترکی اور اردوگان بے چین اور غصے میں تھے لیکن یہ سارا شور شرابا میڈیا کی روشنی میں رہا اور جب ان کے درمیان 14 جون 2021 کو برسلز میں نیٹو سربراہی اجلاس کے موقع پر بند کمرے میں ملاقات ہوئی تو افغانستان کے بارے میں ان کا معاہدہ سامنے آیا، اور اردگان نے اس کام پر خوشی کا اظہار کیا۔ "اردگان نے اشارہ دیا کہ اس نے بائیڈن کے ساتھ افغانستان کی صورتحال پر تبادلہ خیال کیا، اور اردوگان نے کہا کہ ہم تیار ہیں، ہم افغانستان میں طالبان کو نظر انداز نہیں کر سکتے، اگر ہمیں امریکہ کے ساتھ ساتھ دیگر ممالک کی حمایت حاصل ہوتی ہے تو ہم ان سے نمٹنے کے لئے تیار ہیں..." (سی این این عربیہ، 14 جون 2021)]، لیکن ایسا لگتا ہے کہ جو چیز زیادہ اہم تھی وہ شام سے انخلا کا معاملہ ہے، خاص طور پر روس کے ساتھ انخلا کے بارے میں بات چیت میں ترکی کا کردار...

3- اس وقت امریکہ کے لیے سب سے پیچیدہ انخلا شام کا ہے کیونکہ یہ مسئلہ صرف اس سے متعلق نہیں ہے۔ اس میں ایران، ایرانی جماعت، ترکی اور سب سے بڑھ کر روس شامل ہیں جسے 29 ستمبر 2015 کو اوبامہ کی پیوٹن سے ملاقات کے دوران امریکہ کے حکم پر شام میں لایا گیا تھا۔ ان تمام چیزوں کیلئے کچھ اقدامات کی ضرورت ہے تاکہ امریکہ اپنی افواج واپس بلانے سے پہلے دوسروں خصوصاً روس کے مکمل انخلا کو یقینی بنائے، خاص طور پر اس لئے کہ اس نے

کردوں میں یقین دہانی کرائی ہے کہ وہ ان کی حمایت کرتا ہے اور انہیں افغانستان کی طرح تنہا نہیں چھوڑے گا[.شامی ڈیموکریٹک فورسز کے کمانڈر ان چیف مزلوم عبدی نے کہا کہ امریکی صدر جو بائیڈن نے وعدہ کیا تھا کہ گزشتہ ماہ افغانستان سے دستبرداری اختیار کرنے کے بعد امریکہ شام میں اپنے کرد اتحادیوں کو تنہا نہیں چھوڑے گا۔الحساکہ کے قریب اپنے ہیڈ کوارٹر سے عبدی نے 'دی ٹائمز' کو بتایا، "انہوں نے ہمیں یقین دلایا ہے کہ یہ افغانستان نہیں ہے۔ان کا کہنا تھا کہ یہاں 'امریکی' پالیسی بالکل مختلف ہے۔(آرٹی،28 ستمبر 2021)]

4- امریکہ واپس نہیں جانا چاہتا جبکہ روس وہاں موجود رہے، خاص طور پر جب روس امریکی پالیسی اور چین پر ساری توجہ مرکوز کرنے سے تنگ آگیا ہے اور روس ایک سے زیادہ جگہوں پر چین کے قریب آرہا ہے، لہٰذا یہ غالب امکان ہے کہ 16 جون 2021 کو جنیوا میں دونوں صدور، امریکی بائیڈن اور روسی پیوٹن کی ملاقات کے دوران امریکہ روس پر دباؤ ڈال رہا تھا کہ وہ چین سے دور ہو جائے اور امریکہ کے قریب آئے۔۔۔اگرچہ امریکہ شام سے دستبردار ہونے اور اس کی طرف سے معاملات کو سنبھالنے کی ذمہ داری اپنے ایجنٹوں کو تفویض کرنے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔اس سے پہلے کہ امریکہ شام سے اپنی افواج کو مستقل طور پر واپس بلالے اور اپنے ایجنٹوں کو اس خلا کو پُر کرنے کی ذمہ داری سونپے اور خود کو چین پر مرکوز کرلے، روس کا انخلا امریکہ کے لئے ایک اہم معاملہ ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ روس کو اپنا ہم پلہ نہیں بنانا چاہتا، لہذا اس نے روس سے شام سے انخلا کے معاملے پر براہ راست بات نہیں کی، بلکہ اردگان کو ہدایت کی کہ وہ اُس مسئلے پر روس سے اِس بنیاد پر بات کرے یعنی یہ کہ امریکہ روس کو اتنی عزت بھی نہیں دیتا کہ وہ شام سے انخلا کے منصوبے پر براہ راست بات چیت کریں، خاص طور پر اس کے بعد کہ امریکہ کو یقین دلایا گیا ہے کہ اس کے ایجنٹ بشار نے اردن، شام اور لبنان کے ذریعے مصری گیس کی ترسیل کے لئے بات چیت کے بعد خطے کے ممالک کے ساتھ اپنے تعلقات کو بہتر بنایا ہے، اور امریکہ اس پر اس وقت تک بھروسہ کر سکتا ہے جب تک کہ اسے اس کا مناسب متبادل نہ مل جائے۔

اس طرح امریکہ نے اردگان کو روس کے ساتھ شام سے روس کے انخلا کے معاملے پر بات کرنے کا کام سونپا۔ اردگان نے کہا کہ وہ 29 ستمبر کو پیوٹن سے ملاقات کرے گا جس میں دو طرفہ تعلقات اور شام کے صوبے اِدلب میں

تازہ ترین پیش رفت پر تبادلہ خیال کیا جائے گا۔ ایک پریس بیان میں اردگان نے کہا: "پیوٹن کے ساتھ میری ملاقات کسی تیسرے شخص کی موجودگی کے بغیر دوطرفہ ہوگی اور یہ صرف ادلب کی صورتحال تک محدود نہیں رہے گی بلکہ ہم شام کی عمومی صورتحال، اس ملک میں ہم جو اقدامات اٹھائیں گے اور دوطرفہ تعلقات پر بھی بات کریں گے"۔ اردگان نے اشارہ دیا کہ ترکی اور روس خطے کے اہم ممالک ہیں اور انہوں نے نشاندہی کی کہ پیوٹن ایک سیاستدان ہیں اور انہوں نے آذربائیجانی آرمینیائی تنازعہ کے حل میں یہ ثابت کیا (الجزیرہ نیٹ، 28 ستمبر 2021)۔ اردگان، جس کے ساتھ قومی انٹیلی جنس سروس کے سربراہ ہاکن فدان بھی تھے، نے روسی شہر سوچی میں صدر پیوٹن سے ملاقات سے قبل کہا: "شام میں امن ترکی اور روس کے درمیان تعلقات سے جڑا ہوا ہے اور دونوں ممالک مل کر جو اقدامات اٹھاتے ہیں وہ بہت اہمیت کے حامل ہیں" (اناد ولو ایجنسی، 29 ستمبر 2021)۔

5- روس نے اس بات کو محسوس کیا اور اسے اپنی توہین سمجھا کہ امریکہ کی براہِ راست بات چیت کی بجائے اردگان اس کے ساتھ شام سے انخلا کے معاملے پر بات چیت کر رہا ہے، خاص طور پر اس لئے کہ اسی نے روس کو شام میں متعارف کرایا تھا، لہذا اب وہ اس سے براہ راست انخلا کے معاملے پر کیسے بات نہیں کر رہا، بلکہ اردگان کو یہ ذمہ داری سونپ دی؟! اسی مناسبت سے اس نے اسے توہین سمجھا، خصوصاً جب پیوٹن امریکہ کو دنیا کے ایک بڑے بااثر ملک کے طور پر ظاہر کرنا چاہتا ہے! اس لئے روس نے اردوگان کے بارے میں موقف اختیار کیا کہ وہ ترکی کو سبق سکھائے اور اس کے ساتھ ساتھ امریکہ کو یہ پیغام بھی دے کہ وہ واپس آکر اس مسئلے پر بات چیت کرنے پر رضامند ہو یعنی براہ راست انخلا پر بات ہو:

ا۔ روسی صدر ولادیمیر پیوٹن نے بدھ کے روز اپنے ترک ہم منصب رجب طیب اردگان کی اپنے ملک آمد کو نظر انداز کر دیا اور ہوائی اڈے پر ان کا استقبال کرنے کے بجائے سوچی کے میئر الیکسی کوبایگورودسکی اور کراسنودر علاقے کے ڈپٹی گورنر الیگزینڈر رباول کو اس سے ملنے کے لیے بھیج دیا۔ روسی وزارتِ خارجہ، ماسکو میں ترک سفیر ایگور بوگادشیف، نوورو سیسک کے قونصل جنرل محمد سیمسر، فرات بیار اور ترک سفارت خانے کے ملازمین نے ہوائی اڈے پر اردگان کا استقبال کیا۔ (ترکی ناؤ 29 ستمبر 2021)۔

ب۔ پیوٹن نے پراوڈا اخبار کو اردگان کو غریب آدمی قرار دے کر ان کی توہین کرنے کی ہدایت بھی کی! یہ معلوم ہے کہ پراوڈا ایک روسی اخبار ہے جو سوویت دور میں گردش میں آنے والے دنیا کے سب سے بڑے اخبارات میں سے ایک تھا اور اب یہ کریملین کے ساتھ قربت رکھنے والے معروف اخبارات میں سے ایک ہے: [روسی اخبار پراوڈا جو کریملین سے قربت رکھتا ہے، نے ترک صدر رجب طیب اردگان پر حملہ کرتے ہوئے انہیں غریب قرار دیا، سوچی کے دورے سے قبل مذمتی الفاظ پر مشتمل ایک مضمون میں اور اخبار پراوڈا میں شائع ہونے والے ایک مضمون میں روسی صحافی الیگزینڈر سٹرام نے کہا کہ "غریب شخص کے دوبارہ منتخب ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے"۔ (ترکی ناؤ 29 ستمبر 2021)]]۔

6- اس لیے پیوٹن اور اردگان کے درمیان ملاقات شروع سے آخر تک بلکہ شروع ہونے سے پہلے ہی ناکام رہی! ایسا لگتا ہے کہ اردگان اس کی توقع کر رہا تھا اور یہی وجہ ہے کہ اس نے اس بات کو یقینی بنایا کہ اجلاس میں حاضری بہت محدود ہو یعنی ان کے اور پیوٹن کے درمیان اور ناکامی سے واقف لوگوں کا دائرہ وسیع نہ ہو اور یہی ہوا۔ اس طرح اس ملاقات سے کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہوا اور وہ خالی ہاتھ گیا، یہاں تک کہ میٹنگ کے بعد روایتی طور پر ہونے والی پروٹوکول پریس کانفرنس بھی نہیں ہوئی! [روسی صدر ولادیمیر پیوٹن اور ان کے ترک ہم منصب رجب طیب اردگان کی ملاقات آج بدھ کو روسی شہر سوچی میں پریس کانفرنس کیے بغیر اختتام پذیر ہو رہی ہے۔ تین گھنٹے کی ملاقات کے بعد فریقین نے نتائج یا مفاہمت کا اعلان نہیں کیا، سوائے سفارتی بیانات کے جن میں اجلاس کے مواد کے بارے میں کوئی معلومات نہیں تھیں۔ سیاسی تجزیہ کار درویش خلیفہ نے العربیہ الجدید کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ اجلاس سے کسی بھی نتیجے کا اعلان نہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں فریقوں کے درمیان کوئی اتفاق نہیں بلکہ اختلافات ہیں، یہی وجہ ہے کہ کوئی پریس کانفرنس نہیں ہوئی۔ خلیفہ نے مزید کہا کہ شامی فائل اس ملاقات کی بنیاد ہے نہ کہ یوکرائن یا لیبیا جیسے کچھ لوگوں نے کہا ہے۔ (العربی الجدید 30 ستمبر 2021)]۔

7- جہاں تک اکتوبر کے آخر میں جی 20 سربراہ اجلاس کے موقع پر بائیڈن کے ساتھ اردگان کی طے شدہ ملاقات کا تعلق ہے، [ترک صدر رجب طیب اردگان اگلے اکتوبر میں ہونے والے جی-20 رہنماؤں کے سربراہ

اجلاس کے دوران اپنے امریکی ہم منصب جو بائیڈن کے ساتھ دو طرفہ ملاقات کریں گے۔ ذرائع نے مزید بتایا کہ اردگان سربراہی اجلاس کے موقع پر اپنے امریکی ہم منصب بائیڈن سے ملاقات کریں گے۔ (اناطولیہ ایجنسی، 28 ستمبر 2021)]۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ پیوٹن کے ساتھ اردگان کی ملاقات کی ناکامی کے بعد اگلے قدم کے بارے میں سوچ رہا ہے!

توقع کی جاتی ہے کہ اگر امریکہ چین کے بارے میں روس کے موقف پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے یعنی روس کو چین کے خلاف اپنے سے قریب تر کر سکتا ہے تو امریکہ اردگان کو کوئی اہمیت نہیں دے گا، بلکہ اس کی ناکامی کو اس کے ساتھ تنہا چھوڑ دے گا! اور اگر وہ اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ وہ چین سے دُور ہو جائے گا تو وہ روس کے ساتھ معاہدے پر واپس آ سکتا ہے۔ یہ استعماری ممالک جب اپنا مفاد دیکھتے ہیں تو اپنے ایجنٹوں یا اپنے گرد گھومتی ریاستوں میں موجود لوگوں کا احترام کرنے کی پرواہ نہیں کرتے!

8- درج ذیل نکات میں خلاصہ بیان کیا جاتا ہے کہ

الف۔ امریکہ مشرق وسطیٰ سے دستبردار ہونے اور معاملات اپنے ایجنٹوں اور اپنے گرد گھومتی ریاستوں کو سونپنے کی تیاری کر رہا ہے اور وہ چین پر توجہ مرکوز کرنا چاہتا ہے، چاہے وہ روایتی تنازعہ نہ ہو بلکہ سرد جنگ ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ امریکہ پر واشنگٹن میں چینی سفارت خانے کے ترجمان نے الزام لگایا تھا، لیو پینگیو نے امریکہ، برطانیہ اور آسٹریلیا کے اتحاد پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: [ان ممالک کو خارجی بلاک نہیں بنانا چاہئے جو دوسروں کے مفادات کو نشانہ بناتے ہیں یا نقصان پہنچاتے ہیں، اور سب سے اہم کام جو انہیں کرنا چاہئے وہ سرد جنگ کی ذہنیت اور نظریاتی تعصب سے چھٹکارا حاصل کرنا ہے... (الجزیرۃ نیٹ 16 ستمبر 2021)]۔

ب۔ روس کو پریشان کرنے والی عثمانی ریاست اب موجود نہیں ہے، چنانچہ روس اور دشمنوں نے سکھ کا سانس لیا اور اب روس کے نقطہ نظر سے ترکی کے حکمران بہت کمزور ہیں اور ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے، وہ انہیں کسی بھی معاملے میں کوئی اہمیت نہیں دیتے!

ج۔ جو کچھ بھی ہوا اس میں ایک مثبت نکتہ ہے، جو یہ ہے کہ استعماری کافر ممالک تقریباً اپنا بوریا بستر سمیٹ رہے ہیں اور مسلم ممالک کو چھوڑ رہے ہیں، اور یہ ان لوگوں کے لئے مناسب موقع ہے جو دعوت حق لے کر چل رہے ہیں اور ہر اس شخص کے لیے بھی جو حق کی پیروی کرنا چاہتا ہے جو اسلام اور اس کے لوگوں کے اعلیٰ مقام کے قریب ہونے پر خوش ہونا چاہتا ہے، اور کفر اور اس کے لوگوں کی حیثیت کا خاتمہ دیکھنا چاہتا ہے:

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾

"بے شک اس میں اس کے لیے نصیحت ہے جس کا دل ہو یا جو حاضر (دماغ) ہوتے ہوئے سنتا ہو"[ق:37]

29صفر1443ھ

6اکتوبر2021ء

فہرست

سوال وجواب: قریش فتح سے پہلے نصرہ کے حصول کی شرائط کو پورا نہیں کرتے تھے

(عربی سے ترجمہ)

سائل: غیث جیث

سوال:

السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہمارے شیخ، میرا ایک سوال ہے، یہ بات تو مشہور ہے کہ نبی ﷺ نے قبائل سے نصرہ مانگی تھی، لیکن کیا قریش ان قبائل میں سر فہرست تھے جن سے رسول اللہ ﷺ نے نصرہ مانگی تھی؟

جزاک اللہ خیر۔

جواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نصرہ کی تلاش (مدد کی درخواست) اس شخص سے ہونی چاہیے جو اسلام کا جواب دے اور اسے قبول کرے، اور وہ طاقت اور تحفظ کے حامل لوگوں میں سے ایک ہو، تاکہ وہ اسلام کی حمایت کرے اور جو اللہ نے نازل کیا ہے اس سے حکومت قائم کرے۔ جس سے آپ نصرہ چاہتے ہیں، ان دو شرائط کو پورا کرنا ضروری ہے۔ اگر وہ اسلام کا جواب نہیں دیتا اور اسے قبول نہیں کرتا، یا وہ اُن لوگوں میں سے نہیں ہے جو کسی بھی تبدیلی کو لانے کے لیے طاقت اور تحفظ دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں، چاہے وہ بذات خود یا اس کا قبیلہ ہو یا کوئی بھی اور، تو وہ نصرہ کے لوگوں میں سے نہیں ہوگا۔ فتح سے پہلے قریش کی ایسی صورتحال نہیں تھی۔ ان میں سے جو لوگ طاقت اور تحفظ فراہم کر کے تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے انہوں نے اُس وقت اسلام قبول نہیں کیا تھا؛ لہٰذا، رسول اللہ ﷺ نے اُن کا سہارا نہیں لیا، بلکہ آپ ﷺ مکہ میں اسلام کی دعوت دیتے تھے، اور جنہوں نے اسلام قبول کیا وہ کمزور تھے اور جن چند طاقتور افراد نے

اسلام قبول کیا تو ان کے قبائل ان کے ساتھ نہیں تھے، اور اس طرح وہ تبدیلی لانے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے جیسا کہ عمرؓ اور حمزہؓ۔

اس لیے اہل مکہ سے کوئی مدد طلب نہیں کی گئی کیونکہ دو شرائط پوری نہیں ہوئیں؛ بلکہ مکہ میں اسلام کی دعوت تھی، اور مکہ میں طاقت اور تحفظ کے حامل لوگوں کی طرف سے اسلام کا کوئی جواب نہیں آیا جو تبدیلی لانے کی صلاحیت رکھتے تھے؛ اس لیے مکہ مکرمہ میں کوئی ایسا نہیں تھا جس سے نصرۃ مانگی جاتی، بلکہ مکہ کو فتح سے کھول دیا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے آپ کو قبائل کے ان افراد کے سامنے پیش کرتے تھے جو طاقت اور تحفظ فراہم کرنے کے حامل تھے؛ وہ انہیں پہلے اسلام کی دعوت دیتے تھے، اور اگر وہ مسلمان ہو جاتے تو ان سے نصرہ طلب کرتے۔ سیرت میں اس حوالے سے جو ذکر کیا گیا ہے اس میں سے کچھ یہ ہیں:

اوّل: سیرت ابن ہشام

1۔ ثقیف سے نصرۃ کی طلب:

ابن اسحاق نے فرمایا: ابو طالب کی وفات کے بعد، رسول اللہ ﷺ کے خلاف قریش کا جبر شدت اختیار کر گیا کیونکہ جب تک آپ ﷺ کی چچا ابو طالب زندہ تھے تو قریش کا جبر ایک حد سے آگے نہیں بڑھتا تھا۔ نبی ﷺ طائف تشریف لے گئے تاکہ ثقیف سے اپنے قبیلے (قریش) کے خلاف اپنے دفاع کے لیے مدد طلب کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ، آپ ﷺ کو امید تھی کہ وہ اُن کے پیغام کو قبول کریں گے جس کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں بھیجا ہے۔ آپ ﷺ ان کے پاس اکیلے گئے۔

ابن اسحاق نے فرمایا: یزید بن زیاد نے محمد بن کعب القرظی سے روایت کرتے ہوئے بتایا، اس نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ طائف پہنچے تو آپ ﷺ نے ثقیف کے لوگوں کے ایک گروہ سے رابطہ کیا جو اس وقت ان کے معززین اور سردار تھے؛ وہ تین بھائی تھے: عبد یالیل، مسعود اور حبیب، اور یہ عمرو بن عمیر بن عوف بن عقدۃ بن غیرۃ

بن عوف بن ثقیف کے بیٹے تھے اور ان میں سے ایک کی بیوی قریش کی قبیلے بنی جمح سے تعلق رکھتی تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ بیٹھے اور انہیں اللہ کی طرف دعوت دی، اور بتایا کہ وہ اسلام کی تبلیغ کے لیے ان سے مدد مانگنے، اور ان کی مخالفت کرنے والوں کے خلاف ان کی حمایت مانگنے آئے ہیں۔ لیکن ان میں سے ایک آدمی نے کہا کہ اگر اللہ نے اسے بھیجا تو وہ اس کپڑے کو پھاڑ دے گا جو کعبہ کو ڈھانپتا ہے؛ اور دوسرے آدمی نے کہا، کیا اللہ کو بھیجنے کے لیے تمہارے علاوہ کوئی اور نہیں ملا؟، اور تیسرے آدمی نے شکایت کی؛ میں تم سے کبھی بات نہیں کروں گا! کیونکہ، اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ کا وقار میرے لیے بہت بڑا ہے کہ میں آپ کی تردید کروں، اور اگر تم جھوٹ بول رہے ہو تو میرے لیے تم سے بات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے انہیں مایوسی کی کیفیت میں چھوڑ دیا کہ ثقیف سے کسی اچھے کی امید نہیں ہے۔

2۔ قبیلہ عامر بن صعصعہ سے رسول اللہ ﷺ نے نصرۃ طلب کی

ابن اسحاق نے فرمایا: الزہری نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ قبیلہ عامر بن صعصعہ تشریف لائے تھے اور اور ان کو اللہ کی طرف دعوت دی اور ان سے حفاظت کی درخواست کی۔ اُن میں سے ایک آدمی بحیرہ بن فراس نے کہا: اللہ کی قسم اگر میں قریش کے اس جوان کو ساتھ لے لوں تو اس کے ذریعے پورے عرب کو مغلوب کر لوں گا۔ پھر اس نے کہا: یہ بتائیے اگر ہم آپ سے آپ کے اس دین پر بیعت کر لیں، پھر اللہ آپ کو آپ کے مخالفین پر غلبہ عطا فرمائے، تو کیا آپ کے بعد یہ معاملہ (اقتدار) ہمارے ہاتھوں میں ہو گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: « **الْأَمْرُ إِلَى اللهِ يَضَعُهُ حَيْثُ يَشَاءُ**» **"یہ معاملہ (اقتدار) تو اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جہاں چاہے گا رکھے گا۔"**، اس پر اس شخص نے کہا: آپ کی حفاظت میں تو ہمارا سینہ اہل عرب کے نشانے پر رہے، لیکن جب اللہ آپ کو غلبہ عطا فرمائے تو معاملہ (اقتدار) کسی اور کے ہاتھ میں ہو۔ اور انہوں نے آپ ﷺ کی دعوت کو مسترد کر دیا۔ (اقتباس ختم)

دوئم: ابن کثیر الدمشقی کی کتاب البدایہ و النہیہ

3۔ رسول اللہ ﷺ نے بنی شیبان بن ثعلبہ سے نصرۃ طلب کی

اس کے بعد ہم احترام کی فضا سے بھرے ایک اجتماع میں پہنچے، وہاں کئی اعلیٰ اور ممتاز بزرگ بیٹھے تھے۔ ابو بکرؓ نے ان کے پاس جا کر سلام کیا۔ علیؓ نے فرمایا: ابو بکرؓ ہمیشہ ہر اچھے کام میں پہل کرنے والے تھے۔ ابو بکرؓ نے ان لوگوں سے پوچھا: آپ لوگ کہاں سے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: قبیلہ بنو شیبان بن ثعلبہ سے۔ اس کے بعد ابو بکرؓ رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: "میرے والد اور والدہ آپ ﷺ پر قربان ہوں! ان کے قبیلے میں ان آدمیوں سے زیادہ قابل احترام کوئی نہیں ہے۔

ایک اور روایت میں ہے: ان لوگوں کے پیچھے ان کے لوگوں سے کوئی عذر نہیں ہے اور یہ لوگ سردار ہیں اور یہ لوگ اپنے لوگوں میں سب سے زیادہ شریف ہیں۔

ان میں مفروق بن عمرو، هانی بن قبیصہ، المثنی بن حارثہ اور النعمان بن شریک شامل تھے۔

ان میں سے ابو بکرؓ کے سب سے قریب مفروق بن عمرو تھے جو قبیلے میں سے سب سے زیادہ فصیح و بلیغ بھی تھے۔ اس نے بالوں کے دو تالے پہنے ہوئے تھے جو ان کے سینے پر پڑے تھے اور وہ ابو بکرؓ کے قریب بیٹھے تھے۔

ابو بکرؓ نے اس سے پوچھا: "تم کتنے ہو؟" مفروق نے کہا: "ہم ایک ہزار سے زیادہ ہیں، اور ہزار کو تعداد میں کمی کی وجہ سے شکست نہیں ہوگی۔" ابو بکرؓ نے پوچھا: "تمہاری طاقت کیسی ہے؟" مفروق نے جواب دیا: "ہم اپنی پوری کوشش کرتے ہیں، اور ہر انسان کو اپنی پوری کوشش کرنی چاہیے۔" ابو بکرؓ نے مزید پوچھا: "پھر، آپ اپنے اور اپنے دشمن کے درمیان جنگ کا انتظام کیسے کرتے ہیں؟" مفروق نے کہا: "جب ہم غصے میں ہوتے ہیں تو ہم سب سے زیادہ سخت لڑتے ہیں۔ ہم بچوں پر گھوڑے اور کھانے پر اسلحہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ فتح اللہ کی طرف سے ہے، وہ اسے ہمارے اور دوسروں کے درمیان بدل دیتا ہے۔" مفروق نے کہا: لگتا ہے آپ قریش کے بھائی ہیں؟ ابو بکرؓ نے کہا: اگر آپ کو بتایا جائے کہ قریش کے پاس اللہ کے رسول ہیں اور وہ یہ ہیں؟ مفروق نے کہا: یہ خبر ہم تک پہنچ چکی ہے۔ اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: اے قریش کے بھائی، تم کس کو پکارتے ہو؟ رسول اللہ ﷺ پھر آگے

بڑھے اور بیٹھ گئے، ابو بکرؓ کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ پر اپنے کپڑوں سے سایہ کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَدْعُوكُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ، وَأَنْ تؤوونِي وَتَنْصُرُونِي حَتَّى أُؤَدِّيَ عَنِ اللَّهِ الَّذِي أَمَرَنِي بِهِ، فَإِنَّ قُرَيْشًا قَدْ تَظَاهَرَتْ عَلَى أَمْرِ اللَّهِ، وَكَذَّبَتْ رَسُولَهُ،وَاسْتَغْنَتْ بِالْبَاطِلِ عَنِ الْحَقِّ، وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ» **"میں تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ گواہی دو کہ ایک اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور گواہی دو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں یہ بھی طلب کر رہا ہوں کہ آپ مجھے تحفظ اور مدد فراہم کریں تاکہ میں وہ پیغام پہنچا سکوں جس کا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے، کیونکہ قریش نے اللہ کے دین کے خلاف لشکر میں شمولیت اختیار کر لی ہے؛ انہوں نے اس (اللہ) کے رسول کو جھٹلا دیا ہے، اور اپنے آپ کو سچ کے بجائے باطل سے مطمئن کر لیا ہے۔ لیکن اللہ آزاد ہے، تمام تعریفوں کے لائق ہے۔"**

اس نے کہا: یہ مثنیٰ بن حارثہ ہیں۔ یہ ہمارے بزرگ ہیں اور ہمارے فوجی معاملات کے انچارج ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے مثنیٰ نے کہا: قریشی بھائی! میں نے آپ کی باتیں سنی ہیں۔ آپ نے جو کہا مجھے پسند ہے اور اس نے مجھے بہت متاثر کیا۔ تاہم، میرا جواب آپ کو وہی ہے جو ھانی بن قبیصہ نے دیا ہے۔ ہم اپنے آپ کو دو ممالک کی سرحدوں کے درمیان پاتے ہیں۔ ایک یامامہ اور دوسرا سماوہ۔

رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا، **«وما هذان الصريان؟» "آپ کن دو ممالک کی سرحدوں پر واقع ہیں؟"** اس نے جواب دیا، "ایک طرف ہمارے پاس زمین ہے، عرب کی اونچی پہاڑیاں اور پہاڑ ہیں جبکہ دوسری طرف ہمارے پاس فارسیوں کی زمین اور کسرا کی ندیاں ہیں۔ کسرا نے ہمیں اس شرط پر رہنے کی اجازت دی ہے کہ ہم کوئی نئی چیز شروع نہیں کریں گے اور نہ ہی کسی ایسے شخص کی حمایت کریں گے جو نئی تحریک شروع کرتا ہے۔ اس بات کا امکان بہت زیادہ ہے کہ فارسی بادشاہ اس کو پسند نہیں کریں گے جس کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں، جبکہ عربوں کی سرزمین میں یہ رواج ہے کہ غلطی کرنے والوں کو معاف کرنا اور ان کا عذر قبول کرنا، اور فارسیوں کی سرزمین کا رواج ہے کہ جو

لوگ غلطیاں کرتے ہیں انہیں معاف نہیں کیا جاتا اور نہ ہی ان کے عذر قبول کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا، اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کو اپنی سرزمین پر لے جائیں اور عربوں کے خلاف آپ کی مدد کریں تو ہم اس ذمہ داری کو قبول کر سکتے ہیں (تاہم ہم فارسیوں کی مخالفت کی ذمہ داری برداشت نہیں کر سکتے)"۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن سے کہا:

«ما أسأتم الرد إذ أفصحتم بالصدق، إنه لا يقوم بدين الله إلا من حاطه من جميع جوانبه» "آپ کا جواب برا نہیں رہا کیونکہ آپ نے کھل کر بات کی ہے۔ تاہم، صرف وہی لوگ اللہ کے دین کو قائم کر سکتے ہیں جو اس کی ہر زاویے سے حفاظت کرتے ہیں۔" (اقتباس ختم)

4۔ پھر یہ عقبہ کی پہلی اور دوسری بیعت تھی، جس کے بعد ہجرت ہوئی اور ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ اسلام اور پھر رسول اللہ ﷺ کی حمایت کرنے کی تیاری مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ کے پہلے سالوں کے دوران طاقت اور تحفظ کے لوگوں میں نہیں پائی گئی، لہٰذا اللہ کے رسول ﷺ نے نصرہ کے ذریعے مکہ میں ریاست قائم کرنے کے لیے ان کی حمایت نہیں مانگی تھی، اور انہوں نے ان لوگوں سے نصرہ کی درخواست کی جو اس کے لیے اہل تھے کہ وہ اسلام قبول کریں اور طاقت اور تحفظ فراہم کرنے والوں میں سے ہوں جو تبدیلی لانے کے قابل ہیں۔ چنانچہ انصارؓ نے دنیا اور آخرت میں یہ عظیم اعزاز حاصل کیا اور یہی بڑی فتح ہے۔ اور اس کے بعد اسلامی ریاست نے قوت کے ساتھ مکہ فتح کیا۔

مجھے امید ہے کہ یہ کافی ہے، اور اللہ بہتر جانتا ہے اور وہی سب سے زیادہ حکیم ہے۔

آپ کا بھائی،

عطا بن خلیل ابو الرشتہ

6 صفر 1443ھ

13 ستمبر 2021ء

فہرست

سوال وجواب: آسٹریلیااور برطانیہ کے ساتھ امریکی فوجی اتحاد کی اہمیت اور دائرہ کار

(عربی سے ترجمہ)

سوال:

برطانیہ اور آسٹریلیا کے ساتھ امریکہ کے فوجی اتحاد کی کیا اہمیت اور دائرہ کار ہے؟ کیا اس اتحاد کو چین کے خلاف تشکیل دیا گیا ہے؟ یا پھر یہ امریکہ اور برطانیہ کی طرف سے فرانس کو سبق سکھانے کے لیے تھا، کیونکہ فرانس نے تیونس میں برطانوی اثر و نفوذ کو توڑ کر رکھ دیا، اور فرانس کے حمایتی گینیا میں امریکی ایجنٹوں کی مخالفت کرنے لگے ہیں، نیز فرانس امریکہ سے آزاد یورپی طاقت بنانے کی بھی کوششیں کرتا رہا ہے؟

جواب:

مندرجہ ذیل چند امور کو مد نظر رکھیں گے تو ان تمام سوالات کے جوابات واضح طور پر سمجھ سکیں گے:

1-ویڈیو لنک کے ذریعے ہونے والی ایک کانفرنس میں امریکن صدر جو بائیڈن، برطانوی وزیر اعظم جانسن اور آسٹریلوی وزیر اعظم موریسن نے گفتگو کی، جس میں تینوں ملکوں کی طرف سے ایک دفاعی شراکت داری کا اعلان کیا گیا، عرب سکائی نیوز 16 ستمبر 2021ء کے مطابق بائیڈن نے کہا: "ہم سب انڈو پیسیفک (Indo-Pacific) کے علاقے میں طویل المیعاد امن اور استحکام کو یقینی بنانے کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں"۔ موریسن نے کہا: "ہم سب ایٹمی پھیلاؤ کی روک تھام کے معاہدے (NPT) سے جڑی اپنی اپنی ذمہ داریاں لگاتار پوری کرتے رہیں گے"۔ جانسن نے اس قرار داد کو نہایت اہم قرار دیا اور کہا: "یہ دنیا کے پیچیدہ ترین منصوبوں میں سے ایک ہوگا"۔ ان ریاستوں نے اس اتحاد کے تیاری کو خفیہ رکھا اور پھر اچانک اس کا اعلان کر کے چین اور فرانس کو ششدر کر کے رکھ دیا۔

2-اتحاد کے اس اعلان پر ردِ عمل دیتے ہوئے فرانس نے انتہائی غم وغصے کا اظہار کیا اور امریکہ اور آسٹریلیا پر جھوٹا ہونے کا الزام لگایا، برطانیہ کو بھی مستقل موقع پرست کہا۔ فرانس نے کہا کہ اس اتحاد کے ذریعے اس کی کمر میں خنجر گھونپا گیا ہے، کیونکہ آسٹریلیا نے فرانس کے ساتھ 2016 سے کیے گئے 56 ارب یورو (66 ارب امریکی ڈالر) مالیت کی آبدوزوں کے معاہدے کو منسوخ کر دیا ہے۔ (بی بی سی، 18 ستمبر 2021)۔ جبکہ چین نے کہا کہ یہ اتحاد ایشیائی خطوں میں حقیقی سرد جنگ میں کود پڑنے کا آغاز ہے، اور اس اتحاد کو NPT کے مطابق بنانے کے لیے امریکہ و برطانیہ کو اس پر اس لحاظ سے نظر ثانی کی دعوت دی کہ آسٹریلیا کو، جو کہ ایک غیر ایٹمی ریاست ہے، ایٹمی آبدوز ٹیکنالوجی کی منتقلی اس معاہدے کی خلاف ورزی ہو سکتی ہے۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ چین اپنے لیے اس اتحاد کو بالخصوص آسٹریلیا کو ایٹمی آبدوزیں دینے کی وجہ سے، ضرور خطرناک سمجھتا ہے، کیونکہ یہ ایشیائی سمندروں میں چین کے تسلط کی راہ میں روڑے اٹکاتا ہے۔

3-یورپ جو امریکہ کا روایتی اتحادی رہا ہے، امریکہ میں ٹرمپ دور کے خاتمے پر وہ دوبارہ نیا عزم لے کر اٹھا، اور اس کی اس بیداری میں موجودہ امریکی صدر کی اس پکار سے مزید اضافہ ہوا کہ "امریکہ واپس آ گیا ہے"۔ بائیڈن نے ٹرمپ کے نعرے "سب سے پہلے امریکہ" کے مقابلے میں اپنا نعرہ اسی کو بنایا۔ لیکن بائیڈن انتظامیہ کا افغانستان سے انخلا کا فیصلہ ان ممالک کی امریکہ کی ماتحتی کا مظہر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس معاملے میں یورپی ممالک کی آراء اور ان کے مفادات کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا۔ افغانستان سے امریکی انخلا ایک بڑا عالمی عمل تھا جسے بائیڈن انتظامیہ نے ٹرمپ کے بعد صدارت کی چابیاں ہاتھ میں لینے کے نو ماہ کے اندر انجام دیا۔ اس کے نتیجے میں یورپ میں امریکہ پر بہت زیادہ تنقید کی جانے لگی، اس حوالے سے سب سے زیادہ مشہور اقدام فرانس کا امریکہ سے آزاد یورپی طاقت کے قیام اور اس کے استحکام کی دعوت تھی۔ ان حالات میں اب آسٹریلیا اور برطانیہ (جو یورپی یونین کو خیر باد کہہ چکا ہے) کے ساتھ یہ نیا اتحاد وقوع پذیر ہوا جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ یہی وجہ تھی کہ فرانس کے وزیر خارجہ کو کہنا پڑا: "یہ بے رحمانہ، یک طرفہ فیصلہ، جس کے مستقبل کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا، یہ مجھے ان حرکتوں کی یاد دلاتا ہے جو ٹرمپ کیا

کرتا تھا، یعنی "پیٹھ میں چھرا گھونپنا" اور "درد بھری مار"۔ اس کے بعد فرانس نے واشنگٹن میں موجود اپنے سفیر کو مشورے کے لیے واپس بلا لیا۔

4-اس جدید فوجی اتحاد کو گہری نظر سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عالمی سطح کا ایک بڑا واقعہ ہے، اور اس کے نتائج کا دائرہ وسیع ہوگا جس کو امریکی اسٹریٹیجی کے پیرائے میں دیکھنا چاہیے، جو اس نے اُبھرتے چین کا محاصرہ کرنے کے لیے تشکیل دی ہوئی ہے۔ اسی طرح اس کو امریکہ و برطانیہ کے فرانس کو سبق سکھانے کے پیرائے میں بھی دیکھنا چاہیے، کیونکہ فرانس نے عالمی سطح پر مخالفانہ رویہ اپنایا ہوا ہے جس کا اثر یورپی یونین کے دیگر ممالک پر بھی پڑا ہے، اس کی وضاحت مندرجہ ذیل ہے:

چین کے اعتبار سے:

اب ممالک سے یہ بات چُھپی نہیں رہی، بالخصوص چین سے کہ آج امریکہ کے اولین اسٹریٹیجک مقاصد چین کے اُبھرنے کا مقابلہ کرنا اور اس سے متعلقہ بین الاقوامی اقتصادی اور علاقائی عسکری خطرات کا گھیرا تنگ کرنا ہے۔ اس بنا پر جس دن اس اتحاد کا اعلان کیا گیا، چین اسی دن سے یہ جانتا ہے کہ اس فوجی اتحاد کے اہداف و مقاصد کیا ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ چین نے اس کو مسترد کر دیا اور "سرد جنگ کی ذہنیت" اور "نظریاتی تعصب" کی باتیں کیں اور یہ کہ یہ اتحاد "ایٹمی پھیلاؤ کی روک تھام" کے معاہدے کو سبوتاژ کرتا ہے (واشنگٹن میں چینی سفارتخانے کے ترجمان لی پنگ یو نے اس بات پر بہت زور دیا کہ ان ریاستوں کو ایسے استثنائی بلاک تشکیل دینے سے گریز کرنا چاہیے جو دوسروں کے مفادات کو نشانہ بناتے ہوں یا جس سے ان کے مفادات پر زد پڑتی ہو، سب سے زیادہ اہم کرنے کا کام یہ ہے کہ یہ ریاستیں "سرد جنگ کی ذہنیت" اور "نظریاتی تعصب" سے باہر آجائیں)۔ (الجزیرۃ نیٹ 16 ستمبر 2021)

جہاں تک چین کا تعلق ہے:

ا۔ بے شک چین کو اس بات کا ادراک ہے کہ یہ قدم اس کے خلاف نئے اتحاد کے قیام کے لیے بیج کی حیثیت رکھتا ہے، جس کی تشکیل نیٹو کی طرز پر ہوئی ہے جو سوویت یونین کے خلاف تشکیل پایا تھا۔ اس کے علاوہ الجزیرہ نے واشنگٹن پوسٹ سے نقل کیا: "یہ معاہدہ آسٹریلیا کو ڈیزل سے چلنے والے پرانی کشتیوں کی جگہ جدید نوعیت کی ایٹمی طاقت کی حامل آبدوزوں کا مالک بننے اور ان کو استعمال کرنے کی اجازت دیتا ہے، یہ امر آسٹریلیا کو جارحانہ صلاحیت کا حامل بنادے گا، جس کا، کسی بھی کشمکش کی صورت میں، چین کو مقابلہ کرنا پڑے گا"، (الجزیرۃ 17 ستمبر 2021)۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ معاہدہ آسٹریلیا کو ایک ایشیائی چین مخالف رابطے کی حیثیت سے ایٹمی آبدوزوں اور ٹام ہاک طرز کے امریکی کروز میزائلوں سے لیس کرکے اس کی عسکری صلاحیتوں کو مزید طاقتور کردے گا۔

ب۔ چین کو اس بات کا بھی ادراک ہے کہ چینی عروج کا مقابلہ کرنے کی امریکی پالیسی بدستور قائم ہے اور واشنگٹن میں انتظامیہ کی تبدیلی سے اس کی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اس پالیسی کا مقصد ارد گرد کے چین مخالف ممالک کو مضبوط کرنا اور چین کے ارد گرد مزید خطرات کے بیج بونا ہے۔ پس آزاد سمندری خطے اور آزاد سمندری جہاز رانی کے نام پر امریکہ چین کے گرد سمندروں میں فوجی طاقت اکٹھی کرنے پر کام کر رہا ہے، اس کے لیے وہ یا تو براہِ راست امریکی فوجی اڈے منتقل کر رہا ہے، یا پھر جاپان، جنوبی کوریا، آسٹریلیا، بھارت وغیرہ جیسے چین مخالف ایشیائی رابطوں کی بلا واسطہ بڑے پیمانے پر فوجی معاونت کر رہا ہے۔ جہاں ایک طرف امریکہ سمجھتا ہے کہ اس کی چین کے عروج کو لگام دینے کی پالیسی عراق و افغانستان میں جنگ میں پھنسنے کی وجہ سے تاخیر کا شکار ہوئی ہے، وہاں چین کو بھی اس بات کا ادراک ہے کہ امریکہ کی یہ تاخیر واشنگٹن کو چینی عروج و ترقی کو روکنے کے لیے کسی طرح کی پابندیوں کا لحاظ نہ کرنے پر اکسا رہی ہے۔ یہ صورتحال انتہائی خطرناک ہے، کیونکہ ٹرمپ انتظامیہ کا جاپان اور جنوبی کوریا کو ایٹمی اسلحے سے مسلح کرنے کی تجویز دینا اور آج بائیڈن انتظامیہ کا آسٹریلیا کو ایٹمی آبدوزوں سے لیس کردینے کا معاہدہ، چین کے خلاف امریکی پالیسی کو مزید خطرناک بنادیتا ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ اب اپنے آپ کو عالمی معاہدات کا پابند نہیں سمجھتا۔

جہاں تک AUKUS کے تین اتحادی ممالک کی بات ہے، تو الجزیرۃ کی 16 ستمبر 2021 رپورٹ کے مطابق:

ا۔ امریکی انتظامیہ کے سینئر عہدیداروں کا کہنا ہے کہ "یہ دفاعی شراکت داری خطے میں چینی اثر ورسوخ بڑھنے کے تناظر میں ہوئی ہے"۔امریکی صدر جو بائیڈن نے کہا" برطانیہ اور آسٹریلیا کے ساتھ AUKUS دفاعی معاملات میں پہل کرنے سے ان ممالک کی جدید ترین فوجی مشقیں کرنے کی صلاحیت اور تیزی سے نمودار ہونے والے خطرات سے نمٹنے کی صلاحیتوں میں اضافہ ہوگا"۔

ب۔اور برطانوی وزیر اعظم بورس جانسن نے کہا: امریکہ اور آسٹریلیا کے ساتھ سہ فریقی شراکتی معاہدے کی شروعات کا ہدف انڈوپیسیفک (Indo-Pacific) علاقوں میں امن واستحکام کے تحفظ کے لیے شانہ بشانہ کام کرنا ہے۔اُنہوں نے مزید کہا کہ اس معاہدے کا پہلا قدم آسٹریلیا کے ساتھ جوہری قوت سے چلنے والی آبدوزوں کے حصول میں معاونت ہے۔

ج۔ آسٹریلوی وزیر اعظم سکاٹ موریسن نے کہا: میرے ملک نے فرانس سے روایتی آبدوزوں کی خریداری کا 2016 میں ہونے والا بہت بڑا معاہدہ منسوخ کر دیا ہے، کیونکہ ہم نے اس امر کو ترجیح دی کہ امریکہ و برطانیہ کے تعاون سے ایٹمی طاقت سے چلنے والی آبدوزوں کو خود تیار کر سکیں۔موریسن نے مزید کہا کہ ان کا ملک ایٹمی اسلحہ حاصل کرنے کی کوشش میں نہیں، آسٹریلیا ایٹمی عدم پھیلاؤ کے معاہدے کی پابندی جاری رکھے گا....

جہاں تک فرانس کی بات ہے تو اس کی طرف سے اس پر تند و تیز، غصے سے بھرا اور نہایت جذباتی ردعمل سامنے آیا، گویا یہ معاہدہ ایک ناگہانی اور غیر متوقع حادثہ تھا جو فرانس کو پیش آیا:

ا۔ فرانسیسی وزیر خارجہ جان ایف لی درین نے آسٹریلیا کی طرف سے فرانس سے آبدوزیں خریدنے کے معاہدے کو ختم کرنے کو پیٹھ میں چھرا گھونپنے کے مترادف قرار دیا۔فرانس انفوریڈیو کو بیان دیتے ہوئے اس نے کہا، " آسٹریلیا کی طرف سے دستخط شدہ معاہدے کی منسوخی اور امریکہ و برطانیہ سے جدید ایٹمی آبدوز معاہدہ فرانس کو یہ احساس دلاتا ہے کہ اس کے ساتھ دغا کیا گیا، وہ شدید غم وغصے میں ہے، اسے کڑوا گھونٹ پلایا گیا"(الجزیرۃ۔16 ستمبر 2021)۔انہوں نے اپنے ایک بیان میں یہ بھی کہا: "صدر کے مطالبہ پر میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آسٹریلیا اور امریکہ

سے اپنے سفیروں کو مشورہ کے لیے فوراً پیرس بُلالوں۔ بلاشبہ اس غیر معمولی فیصلے کا جواز وہ غیر معمولی اعلان ہے جو آسٹریلیااور امریکہ نے 15 ستمبر کو کیا"(یورو عربی نیوز، 17 ستمبر 2021)۔لی درین نے "فرانس انفو" ریڈیو چینل کو بتایا: "مجھے بہت غصہ آرہا ہے، یہ ایسا کام ہے جو اتحادیوں کے درمیان ممکن نہیں، بالکل جیسے چہرے پر تھپڑ رسید کیا جائے"(ڈوئچے ویلے جرمنی، 17 ستمبر 2021)۔اور سفیروں کو بلانے کا فیصلہ کرنے سے پہلے: "فرانسیسی حکام نے ایک تقریب منسوخ کردی، جس کا کل، بروز جمعہ، واشنگٹن میں انعقاد کا فیصلہ کیا گیا تھا، جس میں امریکی انقلاب کے دوران لڑے گئے حتمی سمندری معرکے کی سالانہ یادتازہ کی جارہی تھی جس میں فرانس نے کلیدی کردار ادا کیا تھا"،(الجزیرہ نیٹ 18 ستمبر 2021)۔

ب۔ فرانسیسی مسلح افواج کی وزیر فلورنس پارلی کہتی ہے :" آسٹریلیا کا اس کے ملک کے ساتھ روایتی آبدوزوں کی خریداری کا اتنا بڑا معاہدہ منسوخ کرنا خطرناک ہے، یہ نہایت بری خبر کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتا ہے"(الجزیرۃ 16 ستمبر 2021)

5- جہاں تک یہ سوال ہے کہ فرانس سے الگ ہو کر ان تین ممالک نے امریکہ کی قیادت میں یہ کاروائیاں کیوں کیں؟، اور نہ صرف یہ کہ فرانس کو اس سے الگ رکھا بلکہ حقیقت میں یہ فرانس کے لیے ایک سزا ہے، تو اس حوالے سے:

ا- بلاشبہ فرانس کھل کر ٹرمپ انتظامیہ کی پالیسیوں کو مسترد کرتا تھا اور ان کو تنقید کا نشانہ بناتا رہا، یہ بات ترکی اور یونان کے درمیان مشرقی بحیرہ روم کے علاقوں پر پیدا شدہ بحران میں دیکھنے میں آئی، جب بائیڈن انتظامیہ نے اقتدار سنبھال لیا اور افغانستان سے اپنی افواج کو نکالا، اس کے لیے جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ ایسا تھا جس سے یورپی ممالک کی امریکی ماتحتی بے نقاب ہوئی، جبکہ مذکورہ ممالک اتحادی دِکھنا چاہتے تھے نہ کہ طفیلی ریاستیں۔ جبکہ یورپی یونین میں فرانس ایک دفعہ پھر امریکی چھتری "نیٹو" کے باہر، ایک آزاد یورپی فوجی طاقت کی تشکیل کا عزم لے کر اٹھا، مطلب یہ کہ فرانس امریکہ کی طرف سے یورپی ریاستوں کی فوجی قیادت کرنے، کے ساتھ مزاحمت کرنے لگا، افریقہ میں امریکی

اثر و نفوذ کے خلاف اس نے کافی جراتمندی کا مظاہرہ کیا، جو بالآخر گینیا میں تختہ الٹانے میں اس کے کردار کی صورت میں رونما ہوا۔ اس سے پیشتر افریقہ کے ساحل (Sahel) ممالک میں فرانسیسی فوجی سرگرمیاں دکھائی دیں، یہ سب وہ حقائق ہیں جن کی وجہ سے فرانس امریکہ کے زیر عتاب آیا۔

ب۔ یورپی یونین کے ممالک کے ساتھ برطانوی بریگزٹ مذاکرات کے بعد یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ برطانیہ اور فرانس کے باہمی تعلقات میں معنی خیز حد تک ابتری واقع ہوئی ہے، اور دونوں ممالک میں سے کسی نے بھی اس صورتحال کے خاتمہ کا کوئی عندیہ نہیں دیا ہے۔ یہ بات فرانس اور یورپ کی طرف سے برطانیہ کے یورپی یونین سے باہر نکلنے کی کڑی شرائط اور معاہدے کے معاملے میں سخت گیری کی صورت میں دیکھنے میں آئی۔ شاید ان اقدامات کے ذریعے دیگر یورپی ممالک سمیت فرانس، یورپی یونین میں موجود ممالک کو یونین سے نکلنے سے روکنا چاہتا تھا کیونکہ اگر موجودہ ممالک بھی برطانیہ کے نقشِ قدم پر چل کر یونین سے نکلنے لگے تو یونین ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر بکھر جائے گی۔ لیکن یہ منظر نامہ فرانس برطانیہ کے تعلقات میں غیر معمولی بگاڑ کا پیش خیمہ ثابت ہوا اور ان کی عالمی پالیسیوں میں بڑی حد تک دُوری واقع ہوئی۔ پھر جب فرانس قیس سعید کی تازہ ترین کاروائیوں کے ذریعے تیونس میں حکومت پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوا تو برطانیہ کے کسی بھی مفاد کو خاطر میں لانا تو درکنار، اس نے تیونس میں برطانیہ کے خلاف امریکہ سے مدد لینا شروع کی، دونوں ممالک کی پالیسیوں میں اس قسم کی صورتحال پہلے کبھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔

ج- اس سے قبل مئی 2021 کے شروع میں جرسی کے جزیرے کا بحران کھڑا ہوا۔ یہ جزیرہ تاجِ برطانیہ کے ماتحت ہے اور فرانس کے بری علاقے سے 20 کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یونین سے باہر ہونے کے بعد برطانیہ نے فرانسیسی ماہی گیروں کو جزیرے کی برطانوی شکار گاہوں میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے جنگی بحری جہاز بھیجے، اس کے بعد فرانس نے جزیرے کی بجلی منقطع کر دینے کی دھمکی دی، اور برطانیہ کے اقدامات کے رد عمل میں فرانسیسی ماہی گیروں کے تحفظ کے لیے پولیس اور حفاظتی کشتیاں بھیجیں، یہ سب کچھ اس بات کا اشارہ ہے کہ دونوں ممالک کے درمیان تعلقات تیزی سے کشیدہ ہو رہے ہیں، یہی وہ حقیقت ہے جس کی وجہ سے برطانیہ فرانس کے چہرے پر طمانچہ رسید کرنے اور امریکا کو اس کے خلاف اکسانے پر تیار ہو گیا، لیکن برطانیہ نے اپنی خصلت اور روایتی بغض کے مطابق یہ

سب رازداری کے ساتھ کیا۔امریکی اخبار "نیویارک ٹائمز" کے مطابق برطانوی حکومت نے "امریکہ اور آسٹریلیا کے ساتھ سہ فریقی معاہدہ کے قیام میں اولین کردار ادا کیا،تاکہ آسٹریلیا بحر الکاہل میں جوہری طاقت سے چلنے والے آبدوزیں تیار کرنے کے قابل ہوسکے، لندن او رواشنگٹن میں سرکاری عہدہ داران نے یہ بات مبینہ طور پر بتائی"(العربیہ نیٹ،19 ستمبر 2021)۔

د- لیکن اس سب سے زیادہ خطرناک، خصوصاًامریکہ کیلئے، فرانس کا چین کے حوالے سے مصالحت پسندانہ موقف ہے، جو امریکی موقف کے بالکل برعکس ہے،(پیرس کو اپنے روایتی اتحادیوں سے واقعی اندیشہ ہے، کہ وہ چین کے ساتھ تصادم کی پالیسی اختیار کریں گے جس سے خطے میں فرانس کے مفادات یقینی خطرات سے دوچار ہوں گے۔لہٰذا انڈوپیسیفک(Indo-Pacific) میں سہ فریقی معاہدے کی پالیسی میں کسی بھی قسم کی فوجی غلطی کے نتیجے میں "نیوکالیڈونیا" اور فرانسیسی پولینزیا" میں دس لاکھ فرانسیسی باشندوں کے لیے خطرات پیدا ہو سکتے ہیں،اوورسیز صوبہ جات کے نام سے پہچانے جانے والے یہ دونوں صوبے فرانس کے اہم صوبے ہیں)۔اس بنا پر یہ متوقع ہے کہ (فرانس ایک آزاد یورپی حکمتِ عملی کا قبلہ درست کرے اور ایسا تب ہی ہو سکتا ہے جب فرانس آئندہ سال یورپی یونین کی صدارت حاصل کرے اور یورپ کو امریکی حفاظتی چھتری سے نکال باہر لانے کے لیے اپنی کوششیں جاری رکھے ،نیز بین الاقوامی سطح پر یورپ کے قدم مضبوط کرکے اسے ایک عالمی قوت بنا کر رہے)،(الجزیرۃ،22 ستمبر 2021)۔

6- یہی برطانیہ کی شراکت سے آسٹریلیا کے ساتھ امریکہ کے کیے ہوئے اس جدید معاہدے کی اہمیت اور احاطہ ہے جو ایک طرف چین کا گھیراؤ کرنے کے لیے ایک محاصرے کا کام دے گا،دوسری طرف یہ معاہدہ فرانس کے منہ پر ایک طمانچہ ہے، کیونکہ آسٹریلیا نے فرانس کے ساتھ کیے گئے روایتی آبدوزوں کی خریداری کا معاہدہ منسوخ کر دیا اور فرانس کو اس معاہدے میں شریک بھی نہیں کیا۔ یہ معاہدہ چین کے ارد گرد محیط سمندروں میں حالات کو مزید عسکریت اور بحرانوں کی طرف لے جائے گا۔نیز یہ معاہدہ اس بات کی دلیل بھی ہے کہ چین کے عروج کو واشنگٹن انتہائی خطرے کی نظر سے دیکھتا ہے جسے روکنے کی ضرورت ہے، جہاں تک لاپرواہ پالیسی رکھنے والی ریاست فرانس کی بات ہے، تو وہ امریکی و برطانوی تھپڑوں سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا، بلکہ یورپی یونین کے تمام ممالک ہی پر یہ کمزوری

طاری ہے، پس یورپی قوت جس سے فرانس کو شہ ملی کہ وہ نیٹو سے الگ یورپی قوت کی تاسیس کے لیے قدم اٹھائے، انتہائی چھوٹی قوت تھی (یعنی پانچ ہزار فوجی) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یورپ کے پاس عالمی صلاحیت بہت کم ہے، بالخصوص جبکہ برطانیہ یورپی یونین سے نکل چکا ہے۔

7- اس طرح ہم دیکھ سکتے ہیں کہ آج کے نام نہاد عظیم ریاستوں کی کوئی اٹل اقدار نہیں، قرآن بھی اس کی گواہی دیتا ہے؛

﴿بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعاً وَقُلُوبُهُمْ شَتَّى ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ﴾

"ان کی لڑائی تو آپس میں سخت ہے آپ ان کو متفق سمجھتے ہیں حالانکہ ان کے دل الگ الگ ہیں یہ اس لیے کہ وہ لوگ عقل نہیں رکھتے" (الحاشر:14)

یہ اندر سے کھوکھلی ریاستیں ہیں، اندر سے دیمک زدہ ہیں، ان کے تعلقات بھی دیمک زدہ ہیں، اور شاید یہ خیر کی نوید ہے، اور اپنے دین کو غالب اور نمایاں کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے، پہلی اسلامی ریاست کے قیام کے وقت یہی صورتحال تھی اور فارس اور روم کی سلطنتیں ایسی ہی تھیں، اور ان کے تعلقات بھی ایسے ہی تھے، جنگی تعلقات اور نظر آنے والی مخالفتیں۔

﴿وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءاً فَلَا مَرَدَّ لَهُ وَمَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَالٍ﴾

"اور جب اللہ کسی قوم کی برائی چاہتا ہے پھر اُسے کوئی نہیں روک سکتا اور اس کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں ہو سکتا" (الرعد:11)

18 صفر 1443ھ

25 ستمبر 2021ء

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امریکا کو فراہم کی جانے والی فضائی راہداری اور انٹیلی جنس سپورٹ کو بند کر دو جو مسلمانوں کے لیے خطرے کا باعث ہے

طالبان کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد امریکا افغانستان کے مسلمانوں کے لیے معاشی مشکلات پیدا کر کے اور ان پر فوجی دباؤ ڈال کر انہیں سزا دینا چاہتا ہے۔ امریکا نے طالبان حکومت پر پابندیاں عائد کر رکھی ہیں اور پاکستان پر دباؤ ڈال رہا ہے کہ وہ طالبان حکومت کو تسلیم نہ کرے۔

فوجی محاذ پر امریکا یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ اسے انسداد دہشت گردی کی کاروائیوں کے لیے پاکستان کی جانب سے فضائی راہداری فراہم کی جائے۔ امریکا کی خواہش ہے کہ پاکستان امریکی ڈرونز اور جنگی طیاروں کے لیے اپنی فضائی حدود کھلی رکھے، تاکہ امریکا پاکستان کے مغربی علاقے کے اوپر سے گزرتے ہوئے افغانستان میں اہداف کو نشانہ بنا سکے۔ اس فضائی راہداری کو استعمال کر کے امریکی جاسوس طیارے امریکی کٹھ پتلی مودی کی مدد کے لیے پاکستان کے خلاف جاسوسی بھی کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار کے ساتھ فوجی اتحاد کرنے سے منع فرمایا ہے۔
قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَن تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ

"اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم (اپنی) دوستی کے باعث اُن تک خبریں پہنچاتے ہو حالانکہ وہ اس حق کے ہی منکر ہیں جو تمہارے پاس آیا ہے، وہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اور تم کو اس وجہ سے (تمہارے وطن سے) نکالتے ہیں کہ تم اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے، ایمان لے آئے ہو۔" (الممتحنہ، 60:1)

امریکا پر انحصار کو مسترد کر دو۔
پاکستان، افغانستان اور وسطی ایشیا کے مسلمانوں کو ایک واحد ریاستِ خلافت میں یکجا کر دو، جو خطے کے مسلمانوں کو ایک مضبوط معاشی اور فوجی طاقت بنا دے گی۔

#NoAirCorridor4US

نُصرۃ

نصرۃ وہ حکمِ شرعی ہے کہ جس پر آج سیاسی طور پر امت مسلمہ کے مستقبل کا دارومدار ہے کیونکہ نصرۃ کے ذریعے ہی اُس ریاستِ خلافت کا قیام عمل میں آئے گا جو ان غداریوں اور خیانتوں کے طویل سلسلے کا خاتمہ کرے گی جس کا امت کو سامنا ہے، جو اللہ کے نازل کردہ تمام تر احکامات کے ذریعے حکمرانی کا آغاز کرے گی، پوری امت مسلمہ کو ایک ریاست کے سائے تلے وحدت بخشے گی اور دعوت و جہاد کے ذریعے اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک لے جائے گی۔

نصرۃ کی دلیل ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے ملتی ہے کہ جب مکہ کا معاشرہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جامد ہو گیا تو اللہ سبحانہ تعالی نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ آپ مختلف قبائل پر اپنے آپ کو پیش کر کے اِن کی حمایت و نصرت طلب کریں۔

پس آپ ﷺ نے ابو طالب کی وفات کے بعد مختلف عرب قبائل کی طرف رجوع کیا یہاں تک کہ مدینہ کے اوس و خزرج قبائل کے سرداروں نے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ ﷺ کو نصرۃ دی اور اس نصرت کے نتیجے میں ہی بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ اور یوں وہ رہتی دنیا تک انصار کے لقب سے پہچانے گئے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کی افواج میں موجود مخلص افسران اپنے انصاری بھائیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خلافت کی دعوت کے علمبرداروں کو نصرۃ فراہم کریں، اس کفریہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کو اکھاڑ پھینکیں اور ایک خلیفۂ راشد کو قرآن و سنت کے نفاذ پر بیعت دیں اور رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی اس بشارت کے پورا کریں کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا: **«ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ»** "پھر ظالمانہ حکمرانی کا دور ہو گا اور اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہیں گے۔ پھر اللہ اس کو ختم فرما دیں گے جب وہ چاہیں گے۔ اس کے بعد نبوت کے نقش قدم پر خلافت قائم ہو گی" (مسند امام احمد)